پیغمبر اکرم کا جانشین کون؟

مؤلف : آیۃ اللہ سید علی حسینی میلانی

مترجم : سید مستعان حیدر کاظمی

نام کتاب: پیامبر اکرم□ کا جانشین کون؟

مؤلف : آیت اللہ سید علی حسینی میلانی

مترجم : سید مستعان حیدر کاظمی

مصحح : زوار حسین علوی

نظر ثانی : خواجہ اسد عباس

ناشر : مرکز حقائق اسلامی

تاریخ نشر اشاعت: ١٤

تعداد : ١٠٠٠

مطبع وفا شابک ISBN٩٧٨-٦٠٠-٥٣٤٨-٢١-٧

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

....

مرکز حقائق اسلامي

قم/صفائیہ/کوچہ ٣٤/کوچہ ایراني زادہ پلاک ٣٣

فون نمبر: ٧٧٣٩٩٦٨-٢٥١-٠٠٩٨

فیکس نمبر: ٧٧٤٠٨٩٥-٢٥١-٠٠٩٨

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

عرض ناشر.. ۱

مقدمہ ۷

پہلا حصہ

امامت وخلافت کیا ہے؟.. ۱۰

رسول خدا کے خلیفہ وجانشین کا ضروری ہونا........ ۱۱

امامت کیا ہے؟.. ۱۳

امامت اور شیعہ نقطہ نگاہ ۱۵

امامت واصول دین ۱۹

ایک شبہ کا جواب ۲۳

وحدت در پرتو امامت ۲۷

دوسرا حصہ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین کون؟ ۳۵

ایک اور نظریہ ۳۷

اس نظریہ کا جواب ۴۱

بیعت کیا ہے؟ ۴۳

شرعی بیعت ۴۴

کیا امامت و خلافت بیعت کے ذریعہ متحقق ہو جاتي ہے؟

.... ۴۶

ابوبکر کی بیعت کیسے وقوع پذیر ہوئی؟...............۵۱

کیا حضرت علیؑ نے ابوبکر کی بیعت کی ہے؟.......۵۳

حضرت علیؑ اور خلفاء کی نماز جماعت میں شرکت.... ۵۹
کیا امیر المومنین علیؑ اور خلفاء کے مابین سببی رشتہ داری تھی؟ ۶۱
عمر کے ساتھ ام کلثوم کے ازدواج کی حقیقت ۶۷
اہل سنت کے نظریہ کی تحقیق ۷۲
امیر المومنین علیؑ کی طرف سے بچوں کے اسماء خلفاء کے نام پر رکھنا ۸۳
مدح شیخین کی روایت پر ایک نظر........................ ۸۷
کیا حضرت علیؑ اپنے حق سے دستبردار ہوئے؟ ۹۵

تیسرا حصہ

امام و خلیفہ کی خصوصیات.................................. ۱۰۶

اہل سنت کی نگاہ میں ۱۰۶

اہم خصوصیات ۱۰۷

کیاابوبکر میں یہ صفات موجود تھیں؟ ۱۱۱

ابوبکر کی شجاعت ۱۱۲

ابوبکر و عمر کا جنگ میں فرار ۱۱۴

جنگ خندق اور حضرت علیؑ کی شجاعت ۱۱۹

شیخین کی شجاعت اور ابن تیمیہ کی توجیہ ۱۲۱

۱۔شجاعت قلبی ۱۲۲

۲۔شجاعت جسمانی ۱۲۲

عدالت ابوبکر ۱۲۶

ابوبکر کی خلافت اور مالکؒ بن نویرہ کاقتل ۱۲۷

ابوبکر کا علم و دانش ۱۳۷

مولائے کائناتؑ کا علم ۱۴۰

منابع و مآخذ ۱۵۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

"الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ محمدوآلہ الطاهرین المعصومین ولعنۃ اللہ علیٰ اعدائهم اجمعین من الاولین والآخرین"

حضرت محمد مصطفی □ کی بعثت سے آخری اور کامل ترین الٰہی دین دنیا والوں کے سامنے پیش کردیا گیا اور اس کے ساتھ ہی آئین رسالت اور انبیاء کرام کا سلسلہ بھی رسول خدا □ کی نبوت کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔دین اسلام مکہ شہر میں پروان چڑھا اور پھر پیغمبر اسلام □ اور ان کے باوفا اصحاب کی زحمات اور محنتوں کے نتیجہ میں پورے جزیرۃ العرب پر چھا گیا۔خداوند عالم نے اس راہ الٰہی

کے تسلسل کیلئے ۱۸ ذوالحجہ کو غدیر خم کے مقام پر اسے علی الاعلان رسول خدا کے بعد کائنات کے افضل ترین انسان یعنی امیر المومنین علی ؑ کے سپرد کیا اس دن حضرت علی ؑ کی جانشینی اور ولایت کے اعلان کے ساتھ ہی خداوند منان کی نعمات تمام ہوئیں اور دین الٰہی پایہ تکمیل کو پہنچا اور خداوند عالم کے ہاں صرف یہی دین مورد پسند قرار پایا یوں کفار اور مشرکین دین اسلام، کی نابودی سے مایوس ہوئے۔

کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ رسول خدا کے بعض ہم نشین افراد نے آنحضرت کے انتقال کے بعد پہلے سے سوچی سمجھی سازش کے تحت راہ ہدایت اور رہبری کو اس کے اصل محور سے ہٹا دیا مدینہ العلم کے دروازے کو

بند کر کے مسلمانوں کو حیرت و پریشانی کی وادی میں دھکیل دیا انہوں نے حکومت سنبھالتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ احادیث نبوی کی کتابت کو ممنوع قرار دیا اور اس کے بالعکس جعلی احادیث اور شیطانی شبہات پیدا کرنے کا بازار گرم کر دیا اور اسلام کے وہ حقائق جو روز روشن کی طرح واضح و عیاں تھے انہیں شك و تردید کے سیاہ بادلوں میں چھپا دیا۔

واضح سی بات ہے کہ دشمنان اسلام کی تمام تر سازشوں کے باوجود اسلام کے حقائق اور رسو ل خدا ﷺ کے فرمودات امیر المومنین علی ؑ آپ کے اوصیاء کرام اور باوفا اصحاب کے ذریعہ طول تاریخ میں اسی طرح جاری و ساری رہے ہیں اور ہر زمانے کو اپنے انوار سے منور کرتے

رہے ہیں ان بزرگوار ہستیوں نے حقائق کو بیان کرنے کے ذریعہ شبہات اور شیطانی افکار کو لگام دی ہے اور دشمنان اسلام کو جواب دیا ہے اور پوری دنیا کے سامنے حقیقت کو بیان کیا ہے۔

ائمہ طاہرینؑ کے بعد اس سلسلہ میں شیخ مفید اور سید مرتضی ، شیخ طوسی، خواجہ نصیر، علامہ حلی، قاضی نور اللہ ، میر حامد حسین ، سید شرف الدین اور امینی و غیرہ کے کارنامے گوہر آبدار کی طرح چمک رہے ہیں کیونکہ ان ہستیوں نے اسلامی حقائق اور مکتب اہل بیت کو بیان کرنے کیلئے اپنی زبان و قلم کو وقف کر دیا تھا اور مختلف شبہات کے جواب دئیے ہیں۔

عہد حاضر میں نامور دانشمند اور مفکر جو اپنے قلم کے ذریعہ دین مبین کے تابناک حقائق کو بیان کر رہے ہیں اور امامت و ولایت علی ابن ابی طالبؑ کا دفاع کر رہے ہیں وہ حضرت آیت اللہ سید علی حسینی میلانی حفظہ اللہ کی ذات گرامی ہے مرکز حقائق اسلام کو یہ افتخار حاصل ہے کہ وہ اس عظیم محقق کے گراں بہا آثار کو زندہ رکھنے کیلئے معظم لہ کے آثار کو مختلف زبانوں میں ترجمہ کر کے محققین اور حقائق اسلامی کے تشنگان کی خدمت میں پیش کر رہا ہے یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ آپ کی ایک علمی کاوش کا اردو زبان میں ترجمہ ہے ہم امید کرتے ہیں کہ ہماری یہ سعی و کوشش بقیۃ اللہ الاعظم

حضرت ولی عصر، امام زمان (عج) کی خوشنودی اوران

کے ہاں مورد قبول واقع ہوگی۔

گر قبول افتد زہے عزت شرف

مرکز حقائق اسلامی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ خیر خلقه و اشرف بریته محمد و آله الطیبین الطاهرین و لعنة الله علیٰ اعدائهم اجمعین من الاولین و الآخرین.

مقدمہ

مسئلہ امامت ان مسائل میں سے ہے جس میں شیعہ امامیہ اور اہل سنت کے مابین تفاوت پایا جاتا ہے شیعہ کا یہ اعتقاد ہے کہ منصب امامت منصب نبوت کی طرح ہے اور وہ راہ نبوت کا ہی تسلسل ہے لہذا پیغمبر کیلئے جانشین اور امام کا تعین خداوند عالم کا حق ہے جس طرح نبوت کا تعین بھی الہی حق ہے اہل سنت کا نظریہ ہے کہ امام کو معین کرنا

عوام کا کام ہے البتہ وہ عوام کے منتخب شدہ امام کیلئے شرائط اور صفات کے قائل ہیں چنانچہ یہ بحث بھی کی جائے گی کہ وہ خلفاء جو رسول خدا کے بعد ان کی مسند کیلئے منتخب ہوئے تھے کیا ان میں یہ معتبر صفات و شرائط پائی جاتي تھیں یا نہیں؟ بنابر این بحث کا محور دو پہلوؤں پر مشتمل ہوگا اور اس بحث کا نتیجہ اعتقادی مبانی اور صحیح مناظرہ کے مبانی پر مشتمل ہوگا کیوں کہ اصل مبنی کے اسقاط یا ان کے خلفاء کا ان شرائط کا حامل نہ ہونے کی صورت میں جنہیں وہ خلافت کیلئے معتبر سمجھتے ہیں خود بخود امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی بلا فصل خلافت ثابت ہوجائے گی اور اس میں کسی قسم کی کوئی نزاع باقی نہ رہے گی اور پھر اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ

ہو گا کہ جناب امیرؑ کی خلافت و امامت بلافصل کو قبول کیا جائے دوسری جانب جناب امیرؑ کی خلافت و امامت پر فراوان نقلی و عقلی دلائل موجود ہیں اور دوسرے خلفاء کی امامت و خلافت پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

یہ کتاب اس اہم اعتقادی مسئلہ پر مشتمل ہے اور اس مسئلہ میں موجود ابہامات سے پردہ کو ہٹایا گیا ہے تا کہ منصف حق جو محققین کیلئے راہ حقیقت کو آشکار کرے۔

سید علی حسینی میلانی

پہلا حصہ

امامت و خلافت کیا ہے؟

رسول خدا ﷺ کے خلیفہ و جانشین کا ضروری ہونا

اس موضوع کو اس سوال سے شروع کرتے ہیں کہ کیا رسول خدا ﷺ کی رحلت کے بعد ان کے جانشین و خلیفہ کا ہونا ضروری ہے یا نہیں ؟ اس سوال کے جواب میں کہیں گے کہ تمام امت اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی رحلت کے بعد ان کے جانشین کا ہونا ضروری ہے بہت سارے شیعہ و اہل سنت کے محققین نے اس مطلب کی

تصریح کی ہے بطور مثال حافظ ابن حزم اندلسی نے کتاب "الفصل فی الاہواء والملل والنحل" میں لکھا ہے؛

"اتفق جمیع فرق اهل سنۃ و جمیع فرق الشیعۃ و جمیع المرجئۃ و جمیع الخوارج علی وجوب الاما مۃ" ([1])

اہل سنت کے تمام فرقے، اسی طرح شیعہ کے فرقے، تمام مرجئہ اور تمام خوارج اس بات پر اتفاق نظر رکھتے ہیں کہ امام کا ہونا لازمی اور واجب ہے، لہذا اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ رسول خدا کے بعد امام کا ہونا ضروری ہے۔

[1] ۔الفصل فی الاهواء والملل والنحل، ۷۲/٤

امامت کیا ہے؟

تمام شیعہ و سنی محققین نے امامت کی اس طرح تعریف کی ہے،

"الامامۃ ھی الریاسۃ العامۃ فی جمیع امور الدین والدنیا نیابۃ عن رسول اللہ" (۱)

امامت ، امت پر تمام دنیاوی و دینی امور میں رسول خدا ﷺ کی نیابت میں حکومت کا نام ہے علماء شیعہ و اہل

۱۔شرح المقاصد؛ ۲۳۲/۵، اہل سنت کے منابع میں رسول خدا ﷺ کے اسم مبارک کے بعد درود و صلوات کو ناقص لکھا جاتا ہے لیکن ہم خود آنحضرت ﷺ کے فرمان کی روشنی میں اسے کامل صورت میں لکھیں گے۔

سنت نے امامت کی یوں تعریف کی ہے، [1] اس بناء پر امام، رسول خدا ﷺ کا نائب ہوتا ہے اور امت کیلئے ضروری ہے یہ تمام امور میں اس کی اطاعت کرے چنانچہ اس تعریف کی روشنی میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے کہ امام، رسول خدا ﷺ کا نائب ہوتا ہے اور امامت، نبوت، کا خلا پُر کرنے کیلئے رسول خدا ﷺ کی نیابت کا نام ہے امام کا کام پیغمبر کا کام ہوتا ہے صرف اتنا فرق ہے کہ یہ نبی نہیں ہوتا ہے۔

[1] ۔مزید معلومات کیلئے تجرید الاعتقاد اور اس کی شروحات شرح المواقف شرح المقاصد اور دوسرے کلامی منابع کی طرف رجوع کیا جائے۔

امامت اور شیعہ نقطہ نگاہ

"امام"اور امامت کی جو تعریف کی گئی ہے شیعہ امامیہ اس تعریف کے لوازم کے ہمیشہ پابند رہے ہیں اور اسے اپنے اعتقاد کا حصہ سمجھتے ہیں لیکن مکتب سقیفہ کے پیروکاروں اور رسول خدا کی رحلت کے بعد رونما ہونے والے دلخراش حوادث کی توجیہ کرنے والوں نے اس تعریف اور اس کے لوازم کو اس کے باوجود کہ امامت کی اس تعریف کے معترف ہیں کو عمل طور پر قبول کرنے سے سر پیچی کی ہے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ امامت کی جو تعریف کی گئی ہے اس کی روشنی میں جو چیز بھی پیغمبر کیلئے ثابت ہے وہ چیز امام کیلئے بھی ثابت ہونا چاہئے سوائے منصب نبوت کے لہٰذا امام بھی نبی کی طرح ولایت تکوینی و ولایت تشریعی کا حامل ہوتا ہے۔

امام، ولایت تکوینی رکھتا ہے یعنی خداوند عالم کے اذن سے اور عطا سے کائنات کے جاری امور میں تصرف کرتا ہے اور یہ قدرت اور حق، خداوند متعال کی طرف سے رکھتا ہے کہ وہ کائنات میں تصرف کرے امام، ولایت تشریعی رکھتا ہے یعنی تمام دینی و دنیاوی امور میں امر و نہی کرے اور امامت کی تعریف کے مطابق یہ حق، امت

کے تمام افراد پر رکھتا ہے اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ امام کے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرے۔

البتہ ایسے علماء اہل سنت جو عرفانی مزاج کے حامل ہیں اور تصوف کی طرف میلان رکھتے ہیں وہ ہمارے ائمہ کیلئے ولایت تکوینی کے قائل ہیں کیوں کہ وہ اس مقام کو تمام اولیاء الہی کیلئے ثابت سمجھتے ہیں اور ہمارے ائمہ طاہرین کو اگر چہ بطور امام نہیں مانتے ہیں لیکن بڑے اولیاء الہی میں سمجھتے ہیں۔

تیسرا مقام جو شیعہ، ائمہ طاہرین ؑ کیلئے ثابت سمجھتے ہیں وہ مقام حکومت و فرمانبرداری اور احکام و قوانین الہی کا نفاذ ہے حکومت، امامت کی جہات میں سے ایک جہت ہے نہ یہ کہ امامت و حکومت ایک ہی

حقیقت ہیں لہذا ان دو الفاظ کو مترادف سمجھنا درست نہیں ہے۔ حکومت، امامت کے شونات میں سے ہے اس لئے کبھی تو امام کو حکومت ملی ہے جیسا کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب ؑ اور امام حسن ؑ کو حکومت ملی ہے اور کبھی ائمہ طاہرین ؑ کی دسترس حکومت تک نہیں ہوئی ہے جیسے کہ دوسرے ائمہ طاہرین ؑ کی زندگی ہے جو اکثر اوقات وقت کے ظالم و جابر حکمرانوں کے زندانوں کی نذر ہوئی ہے یا ان کے دباؤ میں گذری ہے یا پھر ہمارا زمانہ کہ امام پردہ غیب میں ہیں جو ظاہری طور پر کسی حکومت کے حامل نہیں ہیں لیکن پھر بھی ان کی امامت محفوظ ہے۔

امامت و اصول دین

اس سے قبل اشارہ کیا جاچکا ہے کہ شیعہ کا اہل سنت کے ساتھ مسئلہ امامت میں اختلاف ہے ایک مورد جس میں دونوں فریقین کے ہاں اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ کیا امامت اصول دین میں سے ہے یا فروع دین میں سے ہے؟ شیعہ عقیدہ کی رو سے امامت اصول دین میں سے ہے اس مطلب کو ثابت کرنے کیلئے چند دلائل کو پیش کیا جاسکتا ہے ہم ان میں سے سادہ ترین دلائل پر اکتفا کرتے ہیں؛

۱۔اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں کہ امامت کی بحث، نبوت کی نیابت سے بحث ہے اور امامت کی جو تعریف کی گئی ہے اس سے اس معنی کو واضح طور پر سمجھا جاسکتا ہے کیوں کہ امامت کی تعریف میں آیا ہے کہ امامت در اصل رسول خدا کی خلافت اور نیابت ہے اور اس جملہ سے ہی مندرجہ بالا مطلب اخذ ہوتا ہے پس امامت کی بحث، نبوت کی ہی بحث کی طرح ہوگی جیسے عصمت کی بحث اور ہر وہ بحث جو نبوت کے ساتھ مربوط ہے اور اس پر اعتقاد رکھنا واجب ہے، وہ اصول دین میں سے ہوگی۔

۲۔دوسری دلیل کہ امامت، اصول دین میں سے ہے وہ رسول خدا کی معروف حدیث ہے جس میں آنحضرت نے ارشاد فرمایا:

"من مات و لم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاہلیۃ"[1]

جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ اس نے زمانے کے امام کی معرفت حاصل نہیں کی ہو وہ جہالت کی موت مرا ہے۔

شیعہ و اہل سنت کے محققین نے اس روایت کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ واضح سی بات ہے کہ جاہلیت کی موت سے مراد، کفر و نفاق کی موت ہے اور ایسی چیز جس سے جہالت انسان کے انجام کو کفر و نفاق تک پہنچا دے اس کا اصول دین کے ساتھ ارتباط ہونا چاہئے ورنہ فروع دین کے مسائل سے جہالت، انسان کو کفر و نفاق کی منزل تک نہیں

[1] ۔ یہ حدیث اس متن کے ساتھ کتاب شرح المقاصد اور شرح العقائد النسفیہ میں آئی ہے اسی طرح دوسرے قدیمی تفسیری کلامی و حدیثی منابع میں بھی آئی ہے رجوع کریں، الامامۃ فی اہم الکتب الکلامیہ، ۱۵٤

لے جاتي البتہ اہل سنت کے بعض ایسے صاحبان نظر ہیں جن کی طرف نسبت دی گئی ہے کہ وہ امامت کو اصول دین سے شمار کرتے ہیں بطور نمونہ اہل سنت کے نامور محقق قاضی ناصر الدین بیضاوی اپنی تفسیر و علم کلام میں امامت کو اصول دین سے شمار کرتے ہیں۔ البتہ اہل سنت کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ امامت، فروع دین میں سے ہے اگر چہ ان میں سے بعض محققین قطعی طور پر اس بات کی تصریح نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ امامت کا فروع دین میں سے ہونا زیادہ مناسب ہے اور یہ نہیں کہتے ہیں کہ امامت، اصول دین میں سے ہے۔امامت اصول دین میں سے ہو جس طرح شیعہ قائل ہیں یا پھر فروع دین میں سے ہو جس طرح اہل سنت قائل ہیں یہ بحث کرنا ضروری ہے کہ

امام کون ہے تاکہ اسے پہچانیں اور اس کی پیروی کریں اس کے اوامر و نواہی کے سامنے سر تسلیم خم کریں اور اس کی گفتار و کردار کو اپنے لئے نمونہ عمل بنائیں کیوں کہ اسے رسول خدا ﷺ کا نائب اور خلیفہ مانتے ہیں۔

ایک شبہ کا جواب

بعض اوقات یہ بات سننے میں آئی ہے کہ کہا جاتا ہے کہ امامت کی بحث صرف ایک تاریخی بحث ہے اور اس وقت امت اسلامیہ کو اس کے ساتھ کسی قسم کا سروکار نہیں ہے

بلکہ امت اسلامیہ کیلئے دوسرے اہم مسائل ہیں جن پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

یہ کیسی بے بنیاد بات ہے؟! یہ سادہ لوح اور دینی مبانی سے ناآشنا افراد کے افکار پر ڈاکہ ڈالنے والوں کی بات ہے یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک طرف تو یہ کہا جائے کہ امام پر عقیدہ رکھنا واجب ہے اور تمام چھوٹے بڑے امور میں اس کی اطاعت، امت کے تمام افراد پر واجب ہے اور امام کے فرمان سے سرپیچی کفر و فسق کا پیش خیمہ ہے امام کے فرمان پر عمل پیرا ہونے سے انسان، خلقت کے راز اور مخلوق کے خلق کرنے کی غرض و غایت تک پہنچ سکتا ہے اور دوسری طرف یہ کہا جائے کہ امامت کے متعلق بحث صرف تاریخی بحث ہے اور اس کا کوئی ثمرہ نہیں ہے؟!

انسان کے پاس عزیز ترین چیز اس کا عقیدہ ہے امام اور امامت کے متعلق بحث کے فراوان عملی آثار ہیں انسان کو چاہئے کہ وہ امام کو پہچانے کیوں کہ اس کی عدم معرفت سے انسان کے ایمان پر سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ اسے پہچانے تاکہ اس سے محبت کرے اس لئے کہ امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

"هل الدين الا الحب و البغض"[۱]

کیا دین محبت اور نفرت کے علاوہ کوئی اور چیز ہے؟

انسان چاہتا ہے کہ ہر کام کو پہچانے تاکہ مقام عمل میں اس کی اتباع کرے کیوں کہ انسان دوسرے حیوانوں کی

[۱]۔مستدرک الوسائل ۱۲/۲۲۷

طرح شتر بے مہار نہیں ہے بلکہ مکلف ہے۔ کیوں کہ امامت، رسول خدا کی نیابت ہے لہذا یہ امام ہی ہے جو انسان کیلئے مقام عمل میں اس کی انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں کو بیان کرتا ہے تاکہ انسان خداوند متعال کی حقیقی بندگی کرسکے۔ لہذا انسان کو چاہئے کہ وہ امام کو پہچانے اور اس عظیم مقام کے دعوے دار کی حقانیت کی تحقیق کرے تاکہ اس کی پیروی کرکے مقام بندگی میں اس بوجھ کو جسے اپنے ناتوان کندھوں پر اٹھا رکھا ہے منزل مقصود تک پہنچا سکے۔ کیا ان حقائق کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اس اہم موضوع کے متعلق بحث، صرف تاریخی بحث ہے اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے؟

جی ہاں، خلقت کے اغراض و مقاصد اور ان تک پہنچنے کے اسباب سے ناآشنا افراد اس بحث کو غیر ضروری یا بے ثمر خیال کرسکتے ہیں لیکن قرآنی فرمودات کے پیروکار اور فرمودات رسول خدا کے تابع دار افراد کے ہاں خلقت کے اعلی مقصد تک پہنچنے کیلئے امامت اور مقام امام سے بہتر کوئی اور بحث نہیں ہے۔

وحدت در پرتو امامت

شاید یہ کہا جائے کہ امامت کے متعلق بحث کرنے سے اتحاد بین المسلمین کو دھچکا لگتا ہے لہذا بہتر یہی ہے کہ اس بحث کو ترک کردیا جائے ہم نے اس کے متعلق

مختلف ابحاث میں تفصیل سے گفتگو کی ہے اس سوال کے جواب کا خلاصہ یہ ہے؛

امامت کے متعلق بحث و گفتگو نہ صرف اتحاد بین المسلمین کیلئے ضرر کا باعث نہیں ہے بلکہ عقلی و نقلی براہین کی روشنی میں اس باارزش اتحاد کے حصول کیلئے بہترین بلکہ تنہا یہی ایک راستہ ہے کہ مقام امامت و منصب خلافت رسول خدا کو واضح و روشن کیا جائے۔[۱] بات در اصل یہ ہے کہ وحدت سے کیا مراد ہے؟ اور اس کو عملی جامہ پہنانے کا راستہ کون سا ہے؟

[۱]۔مزید آگاہی کیلئے مولف کی کتاب حدیث ثقلین پر ایک نظر کی طرف رجوع کیا جائے

عہد حاضر کے بعض اہل نظر حضرات وحدت کو متحقق کرنے کیلئے یہ رائے دیتے ہیں کہ شیعہ و سنی اپنی تمام تفسیری، حدیثی و فقہی کتب کو ایک دوسرے کے ساتھ موافقت کرتے ہوئے از سر نو لکھیں کیوں کہ اختلافات کی اصل جڑ اہل سنت و شیعہ کی کتب میں بعض باطل و جھوٹی باتوں کا موجود ہونا ہے جس وقت خلاف واقع امور اور جھوٹ کو سچ سے جدا کر لیا جائے گا تو خود بخود اسلام کا حقیقی چہرہ نمایاں ہو جائے گا اور یہ تمام افراد کیلئے قابل قبول ہو گا اس لئے کہ کسی شخص کو حق کے ساتھ اختلافات نہیں ہے نتیجۃً تمام اختلافات ختم ہو جائیں گے۔

اس رائے کے جواب میں چند ابتدائی سوال پیدا ہوتے ہیں؛

۱۔ وہ افراد جنہوں نے شیعہ و اہل سنت کی کتب کی تحقیق کرنی ہے وہ کون ہیں اور ان کا تعلق کس گروہ سے ہوگا؟

۲۔حق و باطل اور سچ و جھوٹ کی شناخت کا معیار کیا ہے؟

۳۔ کیا اہل سنت حاضر ہیں کہ ان کتابوں کو جنہیں اول سے لیکر آخر تک صحیح جانتے ہیں اور انہیں وحی کی طرح سمجھتے ہیں؟ (جیسے صحاح ستہ یا کم از دو کتابیں جیسے صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور اپنے تمام مبانی و عقائد کو انہیں دو کتابوں پر استوار کیا ہوا ہے سے دستبردار ہو جائیں، اور انہیں دوبارہ لکھیں؟

بعض دوسرے محققین نے یہ رائے دی ہے کہ دونوں فرقوں کے مشترکات کو اخذ کیا جائے۔

اس کے جواب میں کہیں گے کہ مشترکات کیا ہیں؟

کیا توحید اور خداوند عالم پر عقیدہ مراد ہے؟

اسی مقام پر پہلی نزاع، صفات خدا میں سامنے آجائے گی کہ کیا خداوند عالم جسم رکھتا ہے؟

اہل سنت، ابوبکر کیلئے ایسی مقام و منزلت کے قائل ہیں جو کسی اور کیلئے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ خداوند عالم اس کیلئے خصوصی طور پر تجلی کرے گا اور وہ خدا کو اسی طرح دیکھے گا جس طرح خدا ہے۔(۱) البتہ خود اہل سنت اس حدیث کی سند میں خدشہ وارد کرتے ہیں لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ اس قسم کی احادیث کو

۱۔الدر النضید۔۹۷

جعل کرنے والے کون ہیں ؟ ان افراد کی شناخت و پہچان کا معیار کیا ہے؟

شیعہ و سنی مشترکات میں سے ایک مشترک چیز مسئلہ امامت ہے۔اہل سنت کو کم از کم یہ بات تسلیم کرنا چاہئے کہ امامت کی بحث اور واقعی امام کی تحقیق جو نائب رسول خدا ہے مشترکہ بحث میں سے ہے اور اس سے دونوں مذاہب کے مابین ہم آہنگی پیدا کی جاسکتی ہے پس اس بحث کو تفرقہ کا سبب کیوں سمجھا جاتا ہے؟

جی ہاں وہ لوگ فرقہ مجسمہ ، مرجئہ او رخوارج کو تو مسلمان سمجھتے ہیں لیکن ہمیں مسلمان نہیں سمجھتے جب کہ ہمارے اسلام کے بارے میں انہیں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے پھر بھی ہمیں مسلمان تسلیم نہیں کرتے۔

اس بات کی شاہد سعودی عرب میں چھپنے والی کتاب "مسألۃ التقریب بین اہل سنۃ والشیعہ" ہے۔ اس کتاب کے مؤلف کو یہ کتاب تألیف کرنے پر تعلیمی اسناد سے نوازا گیا ہے۔

کتاب کا مؤلف مباحث میں وارد ہونے کے بعد اور چند مطالب کو بیان کرنے کے بعد یوں رقمطراز ہوتا ہے؛

ہمارے (یعنی اہل سنت) اور شیعہ کے مابین مذہبی رواداری و ہم آہنگی کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے مگر اس صورت میں کہ شیعہ پہلے مسلمان بن جائیں!!، جب تک شیعہ مسلمان نہیں ہوتے اس وقت تک مذہبی ہم آہنگی کا کوئی معنی نہیں ہے۔!

لیکن جواب میں ہم انہیں ایسا نہیں کہتے بلکہ کہتے ہیں کہ آئیں اور کتاب خدا و سنت قطعی رسول خدا کہ جن کا اعتراف آپ خود کرتے ہیں، پر عمل کریں۔ ہم نے کتاب حدیث ثقلین کی سند و دلالت کی بحث میں اس پر مفصل گفتگو کی ہے۔[1]

[1]۔رجوع کریں، حدیث ثقلین پر ایک نظر، ص۳۱۔۵۳

دوسرا حصہ

رسول خدا کا جانشین کون؟

علیؑ یاابوبکر؟

اہل سنت اپنی کلامی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ خلافت کے سلسلہ میں تین افراد کے مابین نزاع تھی یعنی پیغمبر اکرم کے چچا عباس کو بھی اس میں شامل سمجھتے ہیں البتہ وہ کہتے ہیں کہ عباس، حضرت علی ؑ کے حق میں دستبردار ہوگئے اس لئے نزاع دو ہی افراد کے مابین ہے۔

مو ٔلف کے نزدیک جناب عباس کی امامت کا مسئلہ بنی عباس کے دور حکومت میں بیان ہوا ہے صدر اسلام میں اس کا کوئی سابقہ موجود نہیں ہے اور نہ ہی کوئی دلیل ایسی موجود ہے جس سے یہ بات ثابت کی جاسکے کہ

رسول خدا کے انتقال کے بعد عباس نے خلافت و امامت کا دعوی کیا ہو۔ عباس، سقیفہ کے واقعات میں حضرت علی ؑ کا طرفدار تھا اور جناب امیر کی بیعت کی تھی اور زندگی کے آخری لمحات تک یہ بات سننے میں نہیں آئی کہ انہوں نے جناب امیر کے مقابلے میں امامت یا خلافت کا دعوی کیا ہو لہذا یہ کہنا کہ خلافت کے سلسلہ میں تین افراد کے مابین نزاع ہے یہ باطل اور من گھڑت بات ہے اور تمام مسلمانوں کے برخلاف ہے۔

ایک اور نظریہ

بعض محققین کا یہ عقیدہ ہے کہ اصلاً علی ابن ابی طالبؑ اور ابوبکر ابن ابی قحافہ کے مابین کسی قسم کی کوئی نزاع ہی نہیں تھی انہوں نے اپنے اس مطلب کو ثابت کرنے کیلئے چھ دلائل و دستاویزات کا سہارا لیا ہے؛

۱۔امیر المومنین علیؑ نے بالترتیب ابوبکر، عمر اور عثمان کی بیعت کی ہے لہذا ان کے مابین کسی قسم کی کوئی نزاع ہی نہ تھی۔

۲۔امیر المومنین علیؑ ہمیشہ نماز میں شریک ہوتے تھے اور خلفاء کو قبول کرتے تھے۔

۳۔ حضرت علیؑ کے خاندان اور خلفاء کے مابین نسبی رشتہ داری موجود تھی۔

با الفاظ دیگر انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ اپنی لڑکیوں کے عقد کئے تھے ایک دوسرے کو رشتے دئیے تھے یوں دامادی کی نسبت اور ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی باہم سازگار نہیں ہیں۔ یہ واضح سی بات ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ اپنی لڑکی کا عقد کرتا ہے اور وہ لڑکی مریض ہوجائے تو سُسر اپنے داماد کے گھر میں اس کی عیادت کے لئے جائے گا اب ایک دوسرے کے گھر آنا جانا اور اٹھنا بیٹھنا اور باہمی نزاع معقول نہیں ہے۔

٤۔ امیر المومنین علیؑ کے بچوں کے نام ابوبکر، عمر اور عثمان تھے اب اگر ان کی خلفاء کے ساتھ نزاع تھی تو پھر اپنے بچوں کے نام ان کے ناموں پر کیوں رکھے ہیں۔ واضح رہے

کہ اہل سنت کے محققین نے تیسری اور چوتھی دلیل پر دوسرے موارد کی نسبت زیادہ تاکید کی ہے۔

۵۔ شیخین کی مدح میں حضرت علیؑ سے روایات نقل ہوئی ہیں ایک مقام پر حضرت علی کی طرف نسبت دی گئی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی شخص کو میرے پاس لایا جائے جو مجھے ابوبکر و عمر سے افضل سمجھتا ہو تو میں اسے تازیانہ ماروں گا اور اس شخص جیسی حد اس پر جاری کروں گا جو دوسروں پر افتراء باندھتا ہے۔

٦۔ حضرت علیؑ نے اتحاد بین المسلمین اور وحدت کی خاطر اپنے حق سے چشم پوشی کی ہے۔

اس نظریہ کا جواب

اگر ان چھ دلائل کی تحقیق کی جائے تو امیر المومنین علی ؑ کی بیعت کرنے کے سلسلہ میں درج ذیل سوالات ابھر کر سامنے آتے ہیں؛

۱۔بیعت کیا ہے؟

۲۔کیا امیر المومنین علیؑ اور خلفاء کے مابین بیعت واقع ہوئی ہے؟

۳۔اگر امیر المومنین علیؑ اور خلفاء کے مابین بیعت واقع ہوئی ہے تو اس بیعت کی کیفیت کیا ہے؟

٤۔ اگر امیر المومنین علیؑ اور خلفاء کے مابین بیعت واقع ہوئی ہے تو کس زمانہ میں ہوئی ہے؟

٥۔ کیا بنیادی طور پر امامت کو بیعت کے ذریعہ ثابت کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

ہم امیر المومنینؑ کی خلافت و امامت کو تین ادلہ قرآن مجید ، سنت قطعی اور عقل سے ثابت کرتے ہیں۔ قاعدہ عقلی سے ہماری مراد یہ ہے کہ مفضول کو افضل پر مقدم کرنا قبیح ہے اور یہ ایک ایسا قاعدہ ہے جسے ابن تیمیہ نے بھی قبول کیا ہے۔ اہل سنت جب اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ابوبکر کی امامت پر کوئی نص موجود نہیں ہے اور اسے افضل بھی نہ مانتے ہوں تو پھر اس کی خلافت کے

اثبات کیلئے ان کے پاس سوائے اجماع صحابہ کے کوئی اور دلیل نہیں ہے۔

بیعت کیا ہے؟

بیعت ایک اجتماعی قرار داد کا نام ہے اس معنی میں کہ بعض افراد کسی کی بیعت کرتے ہیں مثلا جس کی بیعت کی جاتي ہے وہ اس بیعت کے بدلے بیعت کرنے والوں کے ساتھ یہ قرار داد کرتا ہے کہ ان کے ملک کی حفاظت کی جائے گی ان کے ضروری امور کو نمٹایا جائے گا یعنی احتیاج پوری کی جائے گی اور ثقافتی و حفظان صحت کی خدمات انجام

دی جائیں گی وغیرہ۔اور اس کے بدلے میں بیعت کرنے والے تعہد کرتے ہیں کہ اس کی اطاعت کی جائے گی اور اگر کسی مقام پر اسے مالی و جانی امداد کی ضرورت ہوئی (البتہ قوانین و ضوابط کی روسے) تو اس کی امداد کی جائے گی جب دونوں طرف سے عہد و پیمان کا اظہار ہوجائے گا تو اس اجتماعی قرار داد کو بیعت کہا جاتا ہے جو متحقق ہوجاتي ہے۔(۱)

شرعی بیعت

جس وقت بیعت منعقد ہوجائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون سی دلیل ہے جس کی بنیاد پر طرفین کو چاہئے کہ وہ اپنے عہد و پیمان کی پاسداری کریں؟

---

[۱] ۔رجوع کریں، النہایہ فی غریب الحدیث؛ ۱/ ۱۷٤، مقدمہ ابن خلدون؛ ۱/ ۲۰۹

واضح و روشن عبارت کی روشنی میں یوں کہا جائے گا کہ جب اس قسم کی قرار داد منعقد ہو جائے تو بیعت کرنے والوں پر اس شخص کی اطاعت جس کی بیعت کی جائے کس دلیل کی بنیاد پر واجب ہو جاتي ہے؟ اور کس دلیل کے بل بوتے پر بیعت شدہ شخص بیعت کرنے والوں پر حق فرمانبرداری رکھتا ہے؟ اس سوال کا جواب قرآن مجید میں آیا ہے کہ ارشاد رب العزت ہے؛

"یا ایھا الذین آمنوا اوفوا بالعقود"[1]

اے ایمان والو! اپنے عہد و پیمان کی پاسداری کرو۔

[1] ۔سورہ مائدہ، ۱/۵

اس آیہ مبارکہ سے بیعت ہونے کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ جس وقت دو افراد باہمی معاہدہ کرتے ہیں کیوں کہ عہد و معاہدہ بھی ایک قسم کی قرار داد ہی ہے اس کے علاوہ روایات میں عہد کو پیمان موکد سے تعبیر کیا گیا ہے تو پھر معاہدہ کے مطابق اس کی پاسداری بھی کریں۔

کیا امامت و خلافت بیعت کے ذریعہ متحقق ہو جاتي ہے؟

اس آیہ کریمہ کی روشنی میں بیعت کی شرعی حیثیت ثابت ہوگئی ہے کہ یہ عوام کے مابین اور بیعت شدہ فرد کے مابین ایک اجتماعی قرار داد ہے اب ان دو سوالات کی روشنی میں اس شرعی حیثیت کی توضیح دیتے ہیں۔

کیا اس شرعی حیثیت کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جس شخص کی بیعت کی جائے وہ بیعت کرنے والوں کے نفوس پر اولی بالتصرف بھی ہوتا ہے؟ کیا جس شخص کی بیعت کی جائے اگر بالفرض وہ خود اس قرار داد کی مخالفت کرے جو طرفین کے مابین طے پائی ہے تو کیا پھر بھی بیعت کرنے والوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے عہد و پیمان کی پاسداری کریں؟

واضح سی بات ہے کہ جس وقت بیعت شدہ فرد کی
طرف سے قرار داد کی خلاف ورزی اور انحراف ظاہر
ہوگا تو اس وقت اس کی اطاعت کا وجوب بھی ساقط
ہوجائے گا یہی وہ مقام ہے جہاں یہ بات مطرح ہوتی ہے کہ
جس شخص کی بیعت کی جائے اسے معصوم ہونا چاہئے
جس وقت عصمت کا لازمی ہونا ثابت ہوجائے گا تو خلفاء
کی بیعت کا اثبات بھی ریت کی دیوار ثابت ہوگا۔ یہ بات مخفی
نہ رہے کہ یہ ساری بحث اس بات پر موقوف ہے کہ ہم یہ
تسلیم کریں کہ لوگوں کی بیعت سے امامت ثابت ہوتی ہے
ورنہ جس وقت یہ بات ثابت ہوجائے گی کہ خلیفہ کا تعین
اور رسول خدا کی جانشینی کا حق صرف خداوند متعال

کو حاصل ہے اور عوام کی اس میں ذرہ برابر بھی دخالت نہیں ہے تو سرے سے یہ بحث ہی ختم ہو جائے گی۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ شیعہ کا اعتقاد ہے کہ امام اور رسول خدا ﷺ کی جانشینی کے سلسلہ میں عوام کو کسی قسم کی دخالت کا کوئی حق نہیں ہے اور اس بات کو ابن ہشام اور حلبی نے اپنی سیرت کی کتابوں میں ذکر کیا ہے اور دوسری سیرت کی کتابوں میں بھی یہ واقعہ موجود ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ اپنی رسالت کے آغاز میں عرب کے قبائل میں سے ایک قبیلہ کے پاس انہیں اسلام کی دعوت دینے کیلئے تشریف لے گئے قبیلہ کے رؤسا و بزرگان سے مذاکرات کے بعد انہوں نے کہا کہ اگر ہم آپ کی دعوت کو قبول کریں اور آپ کی حمایت کریں اور آپ کے دشمنوں

کے ساتھ جنگ کریں تو کیا اپنے بعد خلاف اور حکومت ہمارے حوالے کرو گے؟

یہ وہ زمانہ تھا کہ جب کسی ایک شخص کا بھی دائرہ اسلام میں داخل ہونا بہت بڑی غنیمت تھی اور اسلام کے نفع میں تھا لیکن رسول خدا ﷺ نے انہیں کسی قسم کا وعدہ نہیں دیا بلکہ صراحت کے ساتھ اعلان فرمایا؛

"الامر الی اللہ یضعہ حیث یشاء"[1]

یہ بات خداوند متعال کے ہاتھ میں ہے جہاں چاہے گا وہیں قرار دے گا۔

[1] ۔البدایۃ والنھایہ: ۱۷۱/۳؛ الاصابہ ۵۲/۱؛ تاریخ اسلام ج۱ص ۲۸۶

ابوبکر کی بیعت کیسے وقوع پذیر ہوئی؟

تاریخی منابع میں یہ بات بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ سب سے پہلے عمر بن خطاب نے ابوبکر کی بیعت کی ہے اس کے بعد مہاجرین میں سے ایک یا دو افراد نے بیعت کی ہے(!!) اس کے بعد کچھ انصار نے کہ جن میں سب سے پہلے بشیر بن سعد ہ انہوں نے بیعت کی البتہ دوسرے انصار اور بہت سارے مہاجرین خصوصا تمام بنی ہاشم اور رسول خدا کے بڑے صحابہ ان

میں سے کوئی بھی سقیفہ میں موجود نہ تھا اور نہ ہی انہوں نے ابوبکر کی بیعت کی ہے۔

جو کچھ بیان ہوا ہے یہ ایک کبری کلیہ تھا اب صغری سے بحث کریں گے حقیقت بیعت میں بیان کیا جا چکا ہے کہ بیعت ایک اجتماعی قرارداد کا نام ہے پس ابوبکر کی امامت پر جو اجتماع ہوا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟

مسلّم دلائل اور قطعی تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں ابوبکر کی بیعت کرنے والے چار افراد تھے،

۱۔عمر بن خطاب

۲۔سالم مولای ابی حذیفہ

۳۔ابو عبیدہ جراح

٤۔اہل نجد کی شکل و صورت کا ایک بوڑھا[1]

کیا ان معدود افراد کی بیعت (کہ حقیقت میں افراد نہ تھے بلکہ دو ہی فرد تھے) سے یہ بات معقول ہے کہ ابو بکر کی اطاعت تمام شرق و غرب میں بکھری ہوئی امت اسلامیہ پر واجب ہو جائے؟

کیا حضرت علیؑ نے ابو بکر کی بیعت کی ہے؟

[1]۔رجوع کریں تاریخ طبری، ج ۳ ص ۲۰۱۔۲۰۶، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۲۵، الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۲۲۳

جیسا کہ اس سے قبل بھی اشارہ کیا جاچکا ہے کہ بعض افراد یہ کہتے ہیں کہ امیر المومنین علیؑ نے ابوبکر کی بیعت کی تھی ہم اس دعوی پر چار محور سے گفتگو کریں گے اور جواب دیں گے:

اول: اس دعوی کی مکمل تحقیق ہونی چاہئے،

دوم: بیعت کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ یہ ایک قسم کی قرار داد یا ایک امر انشائی ہے بزرگان نے جو تحقیق کی ہے وہ یہ ہے کہ امر انشائی اعتباری و ابزاری امر ہوتا ہے اگر اس بات کو قبول بھی کر لیا جائے کہ امیر المومنین علیؑ نے ابوبکر ابن ابی قحافہ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا تو یہ کہاں سے معلوم ہوگا کہ اس طرح ہاتھ اس کے ہاتھ میں دینے سے ابوبکر کی خلافت اور اس کی اطاعت کو بھی اپنے اوپر لازم و

ضروری کر لیا ہو اگر کوئی جواب میں کہے کہ سب بیعت کرنے والے اسی انداز میں بیعت کرتے ہیں اور اس طرح اپنے اعتبار کا اظہار کرتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ یہ بات ظاہری طور پر درست ہے اور اپنی جگہ پر ثابت شدہ ہے کہ اس قسم کے ظواہر حجت بھی ہوتے ہیں لیکن یہ سب کچھ اس وقت حجت ہوگا جب اس ظواہر کے مقابلے میں دوسرے معارض موجود نہ ہوں جب کہ ہم خطبہ شقشقیہ وغیرہ میں دیکھتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین علیؑ اس طرح ارشاد فرماتے ہیں؛

"واللہ لقد تقمصہا ابن ابی قحافہ"([1])

[1] ۔نہج البلاغہ ۴۸ خطبہ سوم شقشقیہ

خدا کی قسم! ابوبکر بن ابی قحافہ نے خلافت و جانشینی پر قبضہ کر لیا ہے در حالانکہ وہ اس کا حق نہ تھی۔

سوم: اگر حضرت علیؑ نے ابوبکر کی بیعت کی بھی ہو تو مورخین کے مطابق یہ ایسی شرائط میں منعقد ہوئی ہے کہ کبھی بھی حضرت علیؑ کی طرف اس کی نسبت نہیں دی جاسکتی کہ وہ اس بیعت سے راضی تھے اس سلسلہ میں مذید آگاہی کیلئے ابن قتیبہ کی کتاب الامامہ والسیاستہ کی طرف رجوع کیا جائے تاکہ اس بیعت کی حقیقت بھی واضح و آشکار ہو جائے۔

اہل سنت کے بعض مورخین نے اس واقعیت سے گلو خلاصی کا یہ راہ حل نکالا کہ اصلاً اس بات کے منکر ہوئے ہیں کہ یہ کتاب ابن قتیبہ کی ہے لیکن اس

سے بھی ان کی مشکل ختم نہیں ہوتي کیوں کہ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ کتاب ابن قتیبہ کی ہی ہے اور اہل سنت کے بزرگان گذشتہ صدیوں میں اس کتاب سے مطالب کو نقل کرتے رہے ہیں اور صراحت کے ساتھ اس کی نسبت ابن قتیبہ کی طرف دیتے تھے۔(۱)

چہارم: صحیح بخاری کے مطابق اگر حضرت علیؑ نے ابوبکر کی بیعت کی تھی تو وہ خاتون قیامت صدیقہ طاہرہ (س) کی شہادت کے بعد واقع ہوئی ہے اور دوسری طرف اہل سنت کے نقل کے مطابق حضرت زہراء (س) کی شہادت رسول خدا ﷺ کی رحلت کے چھ

۱۔بطور نمونہ کتاب العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین: ۶/۷۲ کی طرف رجوع کیا جائے۔

ماہ بعد ہوئی ہے تو پھر اتنی مدت تك امیر المومنین علیؑ نے ابوبکر کی بیعت کیوں نہ کی؟ انہوں نے صدیقہ طاہرہ فاطمہ زہراء (س) کو بیعت کیلئے مجبور کیوں نہ کیا؟

ان دلائل کی موجودگی میں اگر حضرت علیؑ نے ظاہری طور پر ابوبکر کی بیعت کر بھی لی ہو تو اس بیعت سے یہ بات کہاں ظاہر ہوتي ہے کہ وہ اس کی خلافت پر راضی بھی ہوں اور اس کی اطاعت کو امت اسلامیہ کے ضروری سمجھتے ہوں؟

یہ بات اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ یہ سب موارد اس فرض کی بنیاد پر ہیں کہ قائل ہوں کہ خلافت و امامت، امت کی بیعت سے ثابت ہوجاتي ہے جب کہ اس سے قبل اس کا بطلان بیان کیا جاچکا ہے۔

حضرت علیؑ اور خلفاء کی نماز جماعت میں شرکت

بعض اہل سنت کے مورخین نے دعوی کیا ہے کہ امیرالمومنین علیؑ خلفاء کی نماز میں شرکت کرتے تھے ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ یہ ایک ایسا دعوی ہے کہ جس کی کوئی اصالت نہیں ہے کیوں کہ بہت سارے واقعات مشہور ہوتے ہیں لیکن ان کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی ہے۔

البتہ بعض بزرگان نے بھی اس کو ایک مسلم حقیقت گردانا ہے لیکن ہمارے پاس اس مطلب کو ثابت کرنے

کیلئے کوئی قابل اعتناء و معتبر مدرک موجود نہیں ہے کیوں کہ کوئی معتبر سند اور ناقابل مناقشہ مدرک موجود نہیں ہے کہ آنحضرت نماز کیلئے خلفاء کی اقتداء کرتے تھے۔

جو کچھ اس حقیقت کے بارے میں مطلب موجود ہے وہ یہ ہے کہ جسے ابوسعد سمعانی نے کتاب انساب الاشراف میں ذکر کیا ہے در حقیقت یہ بھی ذات علیؑ کا معجزہ ہے کہ اس کے ذریعہ امیر المومنین علیؑ کے مخالفین کو سرکوب و رسوا کیا جاسکتا ہے ابوسعد سمعانی نے نقل کیا ہے کہ امیر المومنین علیؑ کے قتل کا منصوبہ بنایا گیا تھا لہذا

وہ مسجد میں جایا کرتے تھے، ہم نے اس واقعہ کو حدیث ولایت میں نقل کیا ہے۔[1]

شاید یہ واقعہ اس بات کی حکایت کرتا ہے کہ ابھی تک امیر المومنین علیؑ نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی یا سب افراد کو معلوم تھا کہ آپ ابوبکر کی خلافت پر راضی نہیں ہیں ورنہ آپ کے قتل کرنے کا ارادہ کرنا اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتي۔

کیا امیر المومنین علیؑ اور خلفاء کے مابین سببی رشتہ داری تھی؟

[1] ۔انساب الاشراف ۳/۹۵؛ مزید آگاہی کیلئے حدیث ولایت، ۵۰۔۵۳ کی طرف رجوع کیا جائے۔

مسلم تحقیق اور ناقابل انکار حقائق کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ بنی ہاشم اور امویوں کے مابین جو رشتہ داری چلی ہے وہ یکطرفہ تھی اور اکثر مقامات پر امویوں اور دوسرے مخالفین نے بنی ہاشم کے ساتھ رشتہ داری قائم کرنے کی کوشش کی ہے اور بنی ہاشم سے لڑکیوں کے رشتے لئے ہیں لیکن بنی ہاشم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے کہ جس نے امویوں سے لڑکی لی ہو جو چیز مسلّم اور قطعی ہے وہ یہ ہے کہ ائمہ طاہرین میں سے کوئی امام بھی اموی نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں دو موارد قابل ذکر ہیں کہ ان کی تحقیق کی جائے؛

۱۔امام محمد باقرؑ کا قاسم بن محمد بن ابی بکر کا داماد بننا

قاسم کا شمار مدینہ کے فقہاء میں سے ہوتا تھا اور وہ متدین فرد تھے اور امام محمد باقر ؑ نے ان کی بیٹی ام فروہ سے عقد کیا تھا اور یہ مخدرہ امام صادق ؑ کی والدہ گرامی تھیں۔

۲۔جناب امیر ؑ کی بیٹی ام کلثوم کا عمر بن خطاب کے ساتھ عقد

اہل سنت کہتے ہیں کہ جس وقت آ پ اپنے ائمہ کو خطاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں:

"اشھد انک کنت نورا فی الاصلاب الشامخۃ والارحام المطھرۃ"

میں گواہی دیتا ہوں کہ آ پ نور کی صورت میں عالی اصلاب اور پاک و پاکیزہ ارحام میں رہے ہیں۔

پس ابوبکر، امام صادق کی والدہ گرامی کا جد بنتا ہے لہذا وہ اصلاب الشامخہ میں سے ہوگا لہذا اس کے ایمان اور پاکیزگی کا قائل ہونا چاہئے۔

اس استدلال کے جواب میں یوں کہیں گے؛

اس استدلال کے دونوں مقدمات کسی شك و تردید کے بغیر شیعہ اعتقادات کے مطابق ہیں اور اس میں بھی شك نہیں ہے کہ ام فروہ جو قاسم کی بیٹی تھیں وہ امام محمد باقرؑ کی ہمسر اور چھٹے امام کی والدہ گرامی تھیں اور قاسم ابوبکر کا پوتا تھا۔

دوسری طرف کیوں کہ یہ جملات زیارت وارث کے ہیں لہذا ان جملوں میں بھی کسی قسم کا کوئی شك نہیں ہے اور یہ

شیعہ اعتقادات کا حصہ ہیں البتہ ان دونوں مقدمات سے جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے وہ انتہائی مضحکہ خیز ہے کیوں کہ؛

اولاً: عربی زبان میں کلمہ اصلاب جو زیارت وارثہ میں بھی آیا ہے وہ اجداد پدری کو شامل ہے [1]، اور ائمہ طاہرین ؑ کے اجداد پدری حضرت آدم ابوالبشر تک واضح و آشکار ہیں اور واضح سی بات ہے اس سلسلہ میں ابوبکر کے ساتھ کسی قسم کا کوئی ربط نہیں ہے۔

ثانیاً: کلمہ ارحام سے مراد وہ خاتون ہیں کہ جن کے رحم میں امام کے باپ کا نور منتقل ہوا ہے لہذا ہر امام کی وہ زوجہ جو بعد والے امام کی والدہ گرامی بنی ہیں وہ بدون شک

[1] ۔لسان العرب، ۵۲۷/۱۔۵۲٦

طاہرہ و مطہرہ تھیں چنانچہ ائمہ طاہرین کا یہ معیار حضرت حوا تک اسی طرح جاتا ہے۔

بطور مثال حضرت ہاشم کی زوجہ محترمہ سلمی ایک طاہرہ و مطہرہ خاتون تھیں جو عبدالمطلب کی والدہ گرامی بنی ہیں اسی طرح عبدالمطلب کی زوجہ جو حضرت ابوطالبؑ کی والدہ گرامی بنی ہیں وہ بھی ایک پاک دامن و طاہرہ و مطہرہ خاتون تھیں۔

جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے واضح ہوگیا ہے کہ ابوبکر ابن ابی قحافہ کا تعلق نہ تو ائمہ طاہرینؑ کے اصلاب سے ہے اور نہ ہی ارحام سے ہے بنیادی طور پر ان دونوں کلمات کا ابوبکر کے ساتھ کسی قسم کا کوئی ربط

نہیں ہے تاکہ شیعہ اس کی عزت و تکریم کے قائل ہو جائیں۔

عمر کے ساتھ ام کلثوم کے ازدواج کی حقیقت

دوسرا مقام امیر المومنین علیؑ کی بیٹی ام کلثوم کی عمر کے ساتھ ازدواج کے متعلق تھا اہل سنت چاہتے ہیں کہ اس طرح عمر کی فضیلت کو ثابت کیا جائے اور وہ دلخراش سوانح جو رسول گرامی ؐ کی رحلت کے بعد وقوع پذیر ہوئے ہیں ان کا انکار کر دیا جائے اس مورد کی بھی تحقیق و جستجو کی ضرورت ہے۔

اس واقعہ کی دو جہت سے تحقیق کریں گے؛

۱۔شیعہ روایات کی روشنی میں

۲۔اہل سنت کی روایات کی روشنی میں

شیعہ معتبر روایات کی روشنی میں واقعہ کچھ اس طرح ہے؛

عمر نے حضرت علیؑ سے ان کی چھوٹی بیٹی ام کلثوم کی خواستگاری کی امیر المومنین نے یہ کہہ کر عمر کو منفی جواب دیا کہ ابھی بچی کی عمر کم ہے اور وہ ازدواج کے قابل نہیں ہے۔

کچھ عرصہ بعد عمر نے رسول خدا کے چچا عباس سے ملاقات کی اور اس سے پوچھا کہ کیا اس میں کسی قسم کا

کوئی عیب پایا جاتا ہے؟ عباس نے کہا کہ کیا ہوا ہے؟ تیرا یہ سوال کرنے کا کیا مقصد ہے؟

عمر نے کہا کہ آپ کے بھتیجے یعنی امیر المومنین علیؑ سے اس کی بچی کی خواستگاری کی ہے لیکن اس نے مجھے رد کر دیا ہے۔ اس کے بعد عمر نے عباس بلکہ امیر المومنین و بنی ہاشم کو دھمکی دی اور کہا کہ مکہ و مدینہ میں بنی ہاشم کی عزت و جلالت کو خاک میں ملا دوں گا اور دو گواہ لاوں گا جو علیؑ کے خلاف گواہی دیں گے کہ اس نے چوری کی ہے اور اس پر چوری کی حد جاری کروں گا۔

عباس، امیر المومنین علیؑ کے پاس آئے اور جو کچھ ان کے مابین اور عمر کے مابین گفتگو ہوئی تھی وہ

امیرالمومنین علیؑ کے گوش گزار کی اور حضرت علیؑ سے تقاضا کیا کہ وہ اس سلسلہ میں عمر کی بات مان لیں امیر المومنین علیؑ نے بھی چچا کے تقاضا پر اس ازدواج کی موافقت کرلی اس کے بعد عباس نے ام کلثوم (س) کا عقد عمر کے ساتھ کر دیا۔ جس وقت عمر قتل ہو گیا اس کے بعد امیرالمومومنین علیؑ اپنی بیٹی کو اپنے گھر لے آئے۔

جس وقت امام صادق سے اس ازدواج کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا؛

"ان ذالک فرج غصباه"([1])

یہ ہماری ناموس تھی جسے غصب کیا گیا۔

---

[1]۔رجوع کریں؛ فروع کافی ۳٤٦/٥ و ١١٥/٦

واضح رہے کہ بعض بزرگ علماء شیعہ جیسے شیخ مفید اور سید مرتضی نے اصل واقعہ ازدواج کا ہی انکار کیا ہے حتی کہ ام کلثوم(س) کے عمر کے ساتھ صرف عقد (رخصتی کے بغیر) کی بھی نفی کی ہے اور اسی طرح بہت سارے علماء نے عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں اس ازدواج کی نفی کی ہے۔

شیعہ روایات جو سند کے لحاظ سے قابل مناقشہ نہیں ہیں ان میں جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے زیادہ مذکور نہیں ہے اور اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ ازدواج متحقق ہوئی تھی پھر بھی اس سے اہل سنت کے محققین اپنے گوہر مقصود کو حاصل نہیں کر سکتے۔

اہل سنت کے نظریہ کی تحقیق

قبل اس کے کہ اہل سنت کی روایات کی تحقیق کی جائے یہ نکتہ بیان کرنا ضروری ہے کہ ام کلثوم (س) کے ازدواج کے واقعہ کو جس آب و تاب کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے یہ واقعہ صحیح بخاری ، صحیح مسلم اور دوسری صحاح میں ذکر نہیں ہوا ہے اسی طرح اہل سنت کے مشہور و معروف مسانید و معاجم میں اس واقعہ کا کوئی نام و نشان نہیں ہے۔

یہ موضوع واقعاً قابل دقت ہے کہ ایسا واقعہ جو اہل سنت کے ہاں اتنی قدر و قیمت کا حامل ہے اور ان کیلئے موثر ہے اس سے غفلت برتي گئی ہے کیا اس واقعہ کو نقل نہ کرنے کے سلسلہ میں غفلت معقول نظر آتي ہے؟

حقیقت حال تو یہ ہے کہ اصلاً سرے سے یہ واقعہ ہی من گھڑت ہے جس کی کوئی بنیاد ہی نہیں ہے ورنہ اہل سنت کے محدثین اس سے آسانی سے نہ گذرتے اگر چہ ہمارے نزديك اگر یہ واقعہ ہوا بھی ہو تو پھر بھی اس سے خلافت و امامت جیسے عظیم الشان منصب کو ثابت کرنا اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف ہے۔ (جیسا کہ ابھی تك تو اصل واقعہ کا متحقق ہونا بھی ثابت نہیں ہوا ہے)۔

اس نکتہ کو بیان کرنے کے بعد اہل سنت کی کتب میں آنے والی روایات کی تحقیق کرتے ہیں؛

۱۔وہ روایات جو اہل بیت سے مروی ہیں۔[۱]

۲۔وہ روایات جو اہل بیت سے مروی نہیں ہیں۔[۲]

اہل سنت کے جرح و تعدیل کے محققین نے دونوں اقسام کی روایات کو ضعیف شمار کیا ہے اور کسی روایت کو قبول نہیں کیا ہے اس کے علاوہ ان روایات کے متن میں بھی

[۱]۔تهذيب التهذيب ج ۱ ص ۴۴، ج ۱۱ ص ۳۸۲، ج ۴ ص ۱۰۶

[۲]۔الطبقات الکبری، ج ۸ ص ۴۶۲، المستدرک علی الصحیحین ج ۶ ص ۱۴۲، السنن الکبری، ج ۷ ص ۶۳۔۱۱۴، تاریخ بغداد ج ۶ ص ۱۸۲، الاستیعاب ج ۴ ص ۱۹۵۴، اسد الغابہ، ج ۵ ص ۶۱۴، الذریعۃ الطاهرہ ص ۱۵۷۔۱۶۵، مجمع الزوائد، ج ۴، ص ۴۹۹، المصنف صنعانی، ۱۰۳۵۴،

اضطراب پایا جاتا ہے جو محقق کے نزدیک روایات کے ضعیف ہونے کی علامت ہے، پس نتیجہ یہ نکلا؛

اولاً: اہل سنت کی معتبر کتب جیسے صحاح ستہ اور اسی طرح معروف مسانید اور معاجم میں ایسی کوئی روایت نہیں ملتی جس سے یہ ثابت کیا جائے کہ امیر المومنین علیؑ نے اپنی رضایت و رغبت کے ساتھ اس ازدواج کو منعقد کیا ہو۔

ثانیاً: اہل سنت کی دوسری کتب میں یہ واقعہ دو طریق سے نقل ہوا ہے ایسی کوئی حدیث موجود نہیں ہے جس پر خود اہل سنت نے بھی اتفاق نظر کیا ہو۔

ثالثاً: روایات میں موجود (لغوی مشکل سے ہٹ کر) متن میں عجیب و غریب قسم کا اضطراب پایا جاتا ہے۔(1)حدیث شناسی کے محققین کے ہاں ایسی حدیث جس کے متن میں اضطراب پایا جائے معتبر نہیں ہے اور اسے ضعیف شمار کیا جاتا ہے۔

جو کچھ بیان ہوا ہے اور شیعہ روایات کی طرف توجہ کرتے ہوئے (اس صورت میں کہ اصل واقعہ کا انکار نہ کریں اور روایات کے ظاہر پر بھی عمل کریں جو واقعہ کے وقوع پذیر ہونے پر دلالت کر رہی ہیں البتہ یہ دونوں مطالب قابل دقت ہیں) حد اکثر جو چیز ثابت کی جا سکتی ہے وہ یہ

1۔رجوع کریں، الطبقات الکبری، ج۸ص ۴۶۳، الاصابۃ ۴، جزء ۸، ص ۲۷۵، رقم۱۴۷۵؛ البدایہ والنہایہ ج ۵، ص۳۳۰؛ انساب الاشراف ج ۲ص ۴۱۲؛ المستدرک علی الصحیحین ج ۳ص ۱۴۲

ہے کہ امیر المومنین علیؑ نے عمر کے بار بار اصرار کرنے اور دھمکی دینے (جب کہ اہل سنت کی روایات میں بھی واضح ہے) کے باوجود انکار کیا ہے اور اس کو نفی میں جواب دیا ہے اس کے بعد عمر کی جانب سے مختلف دھمکیوں اور جناب عقیل و جناب عباس کو واسطہ بنانے کے بعد (اہل سنت کی کتب میں ان کی صراحت موجود ہے) سخت شرائط کے تحت اور قلبی رضایت کے بغیر اپنی بیٹی کے ازدواج کا معاملہ چچا کے سپرد کیا ہے عباس، عقد کے اجراء کے بعد ام کلثوم (س) کو عمر کے گھر لے گئے کچھ مدت کے بعد خلیفہ کو قتل کر دیا گیا اور امیر المومنین علیؑ اپنی بیٹی کو گھر لے آئے۔

ارباب دانش پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ کوئی بھی منصف مزاج انسان اس واقعہ سے یہ دلیل قائم نہیں کر سکتا کہ امیر المومنین علیؑ اور عمر کے مابین خوشگوار تعلقات تھے۔

دوسری طرف اہل سنت کی روایات کے متن میں بے سروپا مطالب نقل کئے گئے ہیں کہ امیر المومنین علیؑ نے اس بچی کو زینت و آرائش کے ساتھ عمر کے گھر بھیجا ہے!!۔خلیفہ نے اس بچی کے ساتھ ازدواجی رابطہ برقرار کیا ہے جس کے نتیجہ میں ایک بیٹا بھی پیدا ہوا ہے اس کے علاوہ بھی ان کی کتب میں لغویات و بے ہودہ باتیں موجود ہیں جن کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

کتب میں لکھا ہے کہ عمر نے اس شادی پر اپنے اصرار کی علت رسول گرامی اسلام ﷺ کی حدیث کو قرار دیا ہے جس میں رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"کل حسب و نسب منقطع یوم القیامۃ الا حسبی و نسبی" ([1])

قیامت کے دن سوائے میرے حسب و نسب کے تمام حسب و نسب منقطع ہو جائیں گے۔

عمر اپنے دعوی کے مطابق خاتون قیامت کے ساتھ منسوب ہونے کے بعد رسول خدا ﷺ سے منسوب ہونا چاہتا تھا تاکہ قیامت کے دن اس رشتہ داری سے استفادہ کرے۔

[1] ۔الطبقات الکبری ۴۶۳/۸

آنے والے واقعہ میں عمر کی جانب سے اس ازدواج کے اصرار اور غرض کو بہتر طریقہ سے دیکھا جاسکتا ہے۔ محمد بن شافعی کہتے ہیں جس وقت حجاج بن یوسف نے عبداللہ بن جعفر کی بیٹی کے ساتھ ازدواج کیا تو خالد بن یزید بن معاویہ نے عبدالمالک مروان سے کہا؛ کیا تو نے اس شادی کے سلسہ میں حجاج کو اختیار دے رکھا ہے؟

عبدالمالک نے جواب دیا کہ ہاں کیا کوئی مشکل ہے؟

خالد نے جواب دیا کہ خدا کی قسم کہ یہ کام بہت بڑی مشکلات کا سرچشمہ ہے۔

عبدالمالک نے کہا کہ کس طرح اور کون سی مشکلات؟

خالد نے کہا خدا کی قسم اے خلیفہ میں نے جس دن سے زبیر کی بیٹی رملہ سے شادی کی ہے تو زبیر کی نسبت جتنی نفرت و کینہ و دشمنی میرے دل میں تھی وہ ختم ہوگئی ہے۔

خالد کی یہ بات سن کر عبدالمالک کو ہوش آ گیا اور فوراً حجاج کو لکھا کہ عبداللہ کی بیٹی کو طلاق دے۔ حجاج نے بھی خلیفہ وقت کی اطاعت کی۔[1]

البتہ طبیعی طور پر شادی بیاہ اور رشتہ داری کو قائم کرنا اس کا سرچشمہ یہی ہے کہ گذشتہ زمانہ کی عداوت و کینہ ختم ہوجائے یا کم از کم وہ متعادل ہوجائے۔ لیکن یہ بات اموی حکمرانوں کے ساتھ سازگار معلوم نہیں ہوتی

[1] ۔مختصر تاریخ مدینہ دمشق؛ ۳۰۵/٦

کیوں کہ انہوں نے ہر ممکن وسیلہ سے بنی ہاشم کی عداوت و کینہ کو اپنے دلوں اور خصوصا اپنے گماشتوں کے دلوں میں پروان چڑھایا تھا۔

عمر بن خطاب بھی اس مقصد کے تحت اس ازدواج پر اصرار کر رہا تھا کہ شاید اس طریقہ سے بنی ہاشم کے ساتھ رشتہ داری بن جائے گی اور خصوصا امیر المومنین علیؑ کے گھر کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کر کے عمومی افکار کو منحرف کر دیا جائے گا۔ اور سقیفہ کے واقعات اور اس کی طرف سے اور اس کے نمک خواروں کی طرف سے خاتون قیامت پرڈھائے جانے والے مظالم پر پردہ ڈالا جائے۔

امیر المومنین علیؑ کی طرف سے بچوں کے اسماء خلفاء کے نام پر رکھنا

قدیم الایام سے یہ رسم چلی آ رہی ہے کہ صاحب مقام اور باشخصیت افراد اگرچہ وہ باطل پر ہی کیوں نہ ہوں ان کے ناموں پر نام رکھے جاتے ہیں بطور مثال تاریخ کے صفحات اس بات کے شاہد ہیں کہ اگر کسی شخص کا نام رسول خدا کو پسند نہ تھا تو آپ اس کے نام کو دوسرے نام میں تبدیل کر دیتے تھے اور دوسری طرف پیغمبر اسلام نے امام حسن ؑ اور امام حسین ؑ اور جناب محسن ؑ کے اسماء گرامی ان کی ولادت سے قبل ہی رکھے تھے۔

اسی طرح بہت سارے مقام پر ظالم و جابر حکمران بھی بعض سیاسی وجوہات کی بناء پر بعض افراد کے نام رکھتے تھے چنانچہ ان اطفال و بچوں کے والدین ظالم و جابر حکمرانوں کے خلاف بغاوت نہیں کرتے تھے۔

اہل سنت نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ امیر المومنین علیؑ کے فرزند کا نام عمر اسی وجہ سے رکھا گیا ہے۔ حافظ مزی، ابن حجر عسقلانی اور اہل سنت کے دوسرے بڑے محققین نے اس سلسلہ میں یوں لکھا ہے؛

جس وقت امیر المومنین علیؑ کی زوجہ "صہباء بنت ربیعہ" کے ہاں بیٹا پیدا ہوا اس وقت عمر بن خطاب نے اس

نومولود کا نام عمر رکھا(!!)[1] ہماری نظر میں عمر نے یہ کام بھی اسی مقصد کے تحت انجام دیا ہے جس مقصد کی خاطر دھمکیاں دے کر امیر المومنین علیؑ کی دختر کی خواستگاری کی ہے۔ اسی طرح تاریخ میں ملتا ہے کہ معاویہ نے عبداللہ بن جعفر جو حضرت علیؑ کے داماد اور حضرت زینب (س) کے شوہر تھے کے پاس رقم بھیجی تاکہ وہ اپنے بچے کا نام معاویہ رکھیں۔

اس کے علاوہ اکثر نام عرب میں مشہور و معروف تھے اور ہر خاندان اپنے ذوق و سلیقہ کے مطابق بچوں کا نام رکھتا تھا۔ باالفاظ دیگر بنیادی طور پر نام کے اندر ذاتي طور پر کوئی قبح موجود نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کی

---

[1] ۔تھذیب الکمال ۲۱/ ٤٦٧، تھذیب التھذیب ۷/ ٤١١

کتب حتی کے اہل سنت کے ۵۰ سال قبل کے علماء کے ہاں بھی نہیں ملتا کہ انہوں نے اپنے مقصد کے حصول کیلئے اس طرح استدلال کیا ہو اور یوں کہا ہو کہ کیوں کہ شیعہ کے ائمہ نے اپنے بچوں کے نام خلفاء کے نام پر رکھے ہیں لہذا ان کے مابین کسی قسم کی کوئی نزاع نہ تھی۔

مختصر یہ کہ اس قسم کی باتیں کر کے ایسی امر کی نفی کرنا جس پر ٹھوس شواہد اور دلائل موجود ہوں جو کہ قابل مناقشہ نہیں ہیں ایسے ہی کہ جیسا کہ عربی زبان کا محاورہ ہے ؛

"الغریق یتشبث بکل حشیش"ڈوبتے کو تنکے کا سہارا

مدح شیخین کی روایت پر ایک نظر

اہل سنت کی کتب میں امیر المومنین علیؑ کی طرف نسبت دی گئی ہے کہ آپ نے مختلف تعبیروں کے ذریعہ شیخین کی مدح کی ہے ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا:

خیر الناس بعد النبیین ابو بکر ثم عمر ۔۔(۱)

انبیاء کے بعد سب سے افضل ابو بکر اور پھر عمر ہیں۔

ابن تیمیہ نے کتاب منہاج السنۃ میں یوں نقل کیا ہے؛

۱۔شرح المواقف ۸/۳۶۷

علیؑ سے ہمیشہ یہ بات سنی گئی ہے کہ اگر کسی مرد کو میرے پاس لایا جائے جو مجھے ابوبکر و عمر پر برتری دے تو میں ایسے مرد پر افتراء کی حد جاری کروں گا اور اسے تازیانے ماروں گا۔

اس موضوع کی چند جہات سے تحقیق کرتے ہیں:

۱۔ اس قسم کے مطالب صرف اہل سنت کی کتب میں آئے ہیں جن میں حضرت علیؑ کی طرف بعض باتوں کی نسبت دی گئی ہے شیعہ کی کسی کتاب میں حتی کہ ضعیف روایت کی صورت میں ایسے مطالب نہیں آئے ہیں۔

واضح سی بات ہے کہ ایسے امور سے استدلال کرنا جو صرف ایک فرقے کی کتب میں ہوں اور ان کا دعوی ہو یہ مناظرہ کے قواعد کے برخلاف ہے۔

۲۔جو کچھ نقل ہوا ہے اس میں "روی عن علی" علیؑ سے روایت کی گئی ہے "وقد حکی عن علی" علی سے حکایت کی گئی ہے، کہا گیا ہے۔

علم درایہ اور حدیث شناسی کی اصطلاح میں یہ مطالب حضرت علیؑ سے بصورت ارسال نقل ہوئے ہیں (یعنی معلوم نہیں ہے کہ حضرت علیؑ سے کس نے نقل کیے ہیں) کسی معتبر سند کے ذریعہ نقل نہیں ہوئے۔ واضح سی بات ہے کہ ایسی منقول روایات کی کوئی ارزش نہیں ہوتي ہے۔

۳۔ امیر المومنین علیؑ کی فرمائشات اور اسی طرح رسول خدا سے متواترہ بلکہ فوق حد متواترہ روایات نقل ہوئی ہیں، جن میں تمام افراد پر حضرت علیؑ کی افضلیت کو بیان کیا گیا ہے اس قسم کی روایات سے اس بات کی نفی ہوتي ہے کہ امیر المومنین علیؑ نے شیخین کی مدح میں کچھ بیان کیا ہو۔

٤۔ ایسے شواہد موجود ہیں جن سے یہ بات واضح ہوجاتي ہے کہ جو نسبت امیر المومنین علیؑ کی طرف دی گئی ہے وہ محض جھوٹ کا پلندہ ہے بطور نمونہ ایک شاہد پر اکتفاء کرتے ہیں:

اہل سنت کی معتبر ترین رجال کی کتاب "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" میں ابن عبدالبر نے سلمان مقداد، ابوذر،

جناب، جابر بن عبداللہ انصاری، ابو سعید خدری، اور زید بن ارقم سے یہ قول نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے جو شخص اسلام لایا وہ علی ابن ابی طالب تھے اس کے بعد لکھتا ہے کہ؛

"و فضلہ ھؤلاء علی غیرہ"([1])

یہ افراد علیؑ کو دوسروں پر برتری دیتے تھے

قابل ذکر ہے کہ بزرگ صحابہ کی ایکؑ جماعت جس کا یہ عقیدہ تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ صحابہ تھے جو اس عقیدہ کے مالکؑ تھے لیکن ابن عبدالبر نے یہی مصلحت دیکھی ہے کہ صرف چند افراد کا نام لکھا جائے (!!)

[1] ۔الاستیعاب ۳/۱۰۹۰

ابن عبدالبر نے ان چند افراد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے جو شخص اسلام لایا وہ علی ابن ابی طالب تھے۔ بلکہ ابن جریر طبری نے صحیح روایت سے نقل کیا ہے کہ ابو بکر ابن ابی قحافہ نے پچاس افراد کے بعد اسلام قبول کیا۔[1] لیکن کیوں کہ امیر المومنین علیؑ کی اس فضیلت کو بھی آپ سے چھیننا چاہتے ہیں اور اس کا انکار کرنا چاہتے ہیں اس لئے ایسے اقوال گھڑے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے اسلام لانے والا ابو بکر تھا۔

ہم اس مقام پر نہیں ہیں کہ ان بے ہودہ و بے سروپا اقوال کو رد کریں بلکہ ہماری بحث کا محور یہ ہے کہ اہل سنت کے بڑے حافظ ابن عبدالبر قرطبی نے اپنے کتاب میں بعض

---

[1] ۔تاریخ طبری ۳۱۶/۲

اصحاب رسول خدا کی طرف نسبت دی ہے کہ وہ امیر المومنین علیؑ کو ابوبکر سے افضل سمجھتے تھے دوسری طرف یہ بات ہرگز نہیں سنی گئی ہے اور نہ یہ دیکھا گیا ہے کہ اس عقیدے کے حامل افراد پر امیر المومنین علیؑ نے کوئی حد جاری کی ہو یا یہ عقیدہ رکھنے پر ان کی سرزنش کی ہو۔ اسی وجہ سے ابن حجر عسقلانی اسی سلسلہ میں عجیب مخمصے میں پڑ گئے ہیں کیوں کہ ایک طرف تو ایسی روایات ہیں کہ جن میں امیر المومنین علیؑ کی طرف یہ نسبت دی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا جس نے بھی مجھے ابوبکر و عمر پر فضیلت دی میں اس پر حد جاری کروں گا اور دوسری طرف ایسے بزرگ صحابہ جو یہ عقیدہ رکھتے تھے ان پر کسی قسم کی کوئی

حد جاری نہیں کی ہے لہذا انہوں نے اس مشکل سے گلوخلاصی کیلئے یہ راہ حل نکالی کہ ابن عبداللہ کے کلام میں تحریف کرڈالی اور کلام کا یہ آخری حصہ یعنی " وفضلہ هؤلاء علی غیر" کو نقل ہی نہیں کیا تاکہ ایسے افراد کی وجہ سے اس عقیدہ کا اعتراف ہی نہ کیا جائے البتہ اس کے علاوہ ہمارے پاس ایسے شواہد موجود ہیں کہ مختلف موضوعات میں جب متاخرین علماء اہل سنت نے دیکھا ہے کہ قدیم علماء کے کلمات یا عبارت ان کیلئے درد سر بن رہی ہے اور ان کے دعوی کے برخلاف ہے تو انہوں نے ہر ممکن وسیلہ سے پہلے علماء کی عبارت کی تحریف کی ہے اور ہر ممکن طریقہ سے اسے دلالت سے ساقط کیا ہے۔

واہ کیا محکم و استوار روش و مسلک ہے(!!) بعض جھوٹے مطالب کو امیر المومنین علیؑ جیسی شخصیت کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور وہ چیزیں جو اس افتراء سے منافات رکھتی ہیں ان کی تحریف کرتے ہیں نتیجہ انہی دو اصولوں پر مذہب و مکتب کی عمارت کھڑی کرتے ہیں۔

کیا حضرت علیؑ اپنے حق سے دستبردار ہوئے؟

امامت و خلافت کے سلسلہ میں ایک اور دعوی یہ کیا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ اپنے حق سے دستبردار ہوئے

تھے۔ کیا امت پر امامت و ولایت اور سرپرستی امیر المومنین علیؑ کی ذاتي جاگیر ہے جو آنحضرت اس سے دستبردار ہوجائیں اور چشم پوشی کرلیں؟ یہ ممکن ہے کہ انسان اپنی ذاتي میراث یا ذاتي جاگیر میں چشم پوشی کرے اور وہ دوسروں کو دے ڈالے اور یہ کہے کہ اس سلسلہ میں میری اور آپ کی کوئی نزاع نہیں ہے۔

اس کے بالعکس خلفاء کے دور حکومت میں یہ بات واضح ہوجاتي ہے کہ حضرت علیؑ نے نہ صرف اپنے حق سے چشم پوشی نہیں کی ہے بلکہ اس دوران مصلح کی بناء پر صبر کیا ہے چنانچہ امیر المومنین علیؑ اپنے خلافت و امامت کے غصب ہونے پر یوں فرماتے ہیں،

"فصبرت و فی العین قذی و فی الحلق شجی "([1])

میں نے خلافت کے غصب ہونے پر صبر کیا ہے درحالانکہ میری آنکھ میں کانٹا چبھا ہوا تھا اور حلق میں ہڈی پھنسی ہوئی تھی۔

امیر المومنین علیؑ دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرماتے ہیں:

میں نے اپنے اطراف میں نگاہ کی تو ملاحظہ کیا کہ سوائے حسنین کے کوئی نہیں ہے اور انصار میں سے تو صرف دو افراد (اور وہ بھی کون سے دو افراد) لہذا اگر جنگ کیلئے اٹھ کھڑا ہوتا ہوں تو ان رسول کے دو بیٹوں کو

[1]۔نہج البلاغہ ۴۸ خطبہ شقشقیہ

قتل کیلئے دے دوں گا لہذا ان دو کے ہاتھ سے جانے اور قتل ہونے کے خوف سے جنگ سے گریز کیا۔[1]

امیر المومنین علیؑ خداوند عالم کے حضور جفاکش امت کا یوں شکوہ کرتے ہیں،

خدایا میں نے حسنینؑ کو تیری حفاظت میں دیا جب تک میں زندہ ہوں ان کی موت کے غم سے محفوظ فرما اور میرے بعد تو خود جانتا ہے کہ کس طرح انہیں قریش سے بچاکر رکھنا ہے۔(۲)

ان حقائق کی روشنی میں یہ کم لطفی ہے کہ امیر المومنین علیؑ کے صبر و تحمل کو حق سے چشم پوشی کا نام دے دیا

[1]۔نہج البلاغہ خطبہ ۲۶

[2]۔شرح نہج البلاغہ ۲۹۸/۲

جائے جب کہ واضح ہے کہ دونوں کے مابین بہت زیادہ فرق پایا جاتا ہے۔

جی ہاں! جو چیز مانع تھی وہ علی ابن ابی طالبؑ کا صبر و شکیبائی تھا اور امت کی جفاکشی اور ظلم کے مقابلے میں امیر المومنین علیؑ نے صرف دامن صبر کو تھاما ہے۔

حضرت موسی بن عمرانؑ خداوند عالم کے ساتھ مناجات کیلئے کوہ طور پر تشریف لے گئے اور ہارونؑ کو عوام کے مابین اپنا خلیفہ بنا گئے تاکہ لوگوں کے مابین حضرت موسیؑ کے امور کو انجام دیں اور ان کی ہدایت کے اسباب فراہم کریں اس سلسلہ میں قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے؛

"و قال موسی لاخیہ ہارون اخلفنی فی قومی و اصلح ولا تتبع سبیل المفسدین"([1])

موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا تھا کہ قوم کے مابین میرا جانشین بنو اور ان کے امور کی اصلاح کرو اور مفسدین کی پیروی نہ کرنا جس وقت حضرت موسیٰ مناجات سے واپس آتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ حالات بالکل مختلف ہوگئے تھے اور پوری امت مرتد ہوگئی ہے چنانچہ آپؑ نے حضرت ہارونؑ سے اعتراض کیا قرآن مجید اس سلسلہ میں فرماتا ہے؛

"قال ابن ام ان القوم استضعفونی و کادوا یقتلوننی"([2])

---

[1] ۔سورہ اعراف/۱۴۲

[2] ۔ایضاً/۱۵۰

(ہارون نے کہا) اے میرے ماں جائے! قوم نے مجھے ناتوان کر دیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل ہی کر دیتے۔

کیا یہ صحیح ہے کہ قوم کے مرتد اور منحرف ہونے کے جواب میں حضرت ہارون کا صبر کرنے کا یہ معنی لیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے حضرت موسیؑ کی خلافت و جانشینی سے دستبرداری اختیار کی تھی اور اس سے چشم پوشی اختیار کی تھی؟

امیر المومنین علیؑ وہ ہیں کہ جن کی حق و حقانیت کے سلسلہ میں فراوان نصوص وارد ہوئی ہیں اور روز غدیر ایک جم غفیر نے بطور امامت و خلافت ان کی بیعت کی تھی کیا یہ معقول ہے کہ ایسی شخصیت ان تمام باتوں سے

صرف نظر کرے اور دوسروں کے حق میں دستبردار ہوجائے؟

کیا امر خلافت و رسول خدا کی جانشینی کسی کے اختیار میں ہے کہ وہ کسی دوسرے کو دے سکے؟

کیا مسلمان کے مابین وحدت کا نفع امت کی طرف سے وحی برحق سے انحراف کے ضرر سے زیادہ ہے؟

کیا ایسی وحدت سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے؟

کیا یہ بات قابل تصور ہے کہ معصوم کسی غیر معصوم کے حق میں دستبردار ہوجائے؟

جی ہاں! ان سوالات کے جوابات ایسے شخص کے ہاں جو خلافت الٰہی کی اہمیت و عظمت سے ناواقف ہے یا اپنے

آپ کو غفلت میں رکھے ہوئے ہے اور لوگوں کے دین و دنیا میں امامت و حجت واقعی کے کردار سے ناآشنا ہے، مثبت ہوگا۔ کیوں کہ ایسے افراد اس قسم کے طرز تفکر کے ساتھ خداوند عالم کی خلقت کی غرض کے متلاشی نہیں ہیں اس لئے کہ "همتهم بطونهم و دینهم دنانیرهم" ان کی ساری کوشش شکم پرستی کیلئے اور ان کا دین، درھم و دینار ہے لہٰذا امیر المومنین علی ؑ نے کبھی بھی اپنے حق سے چشم پوشی نہیں کی ہے بلکہ یہ امت تھی کہ اس نے رسول خدا کے وصال کے بعد بے وفائی کی ہے اور جسے خداوند عالم اور رسول خدا نے منتخب کیا تھا اس سے انحراف کیا ہے اور وہ ہستی جسے خداوند عالم نے رسول خدا کی جانشینی کیلئے منتخب کیا تھا اس نے جب امت کے اس انحراف و بے

وفائی کو دیکھا تو سوائے صبر کے اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا لہذا فرماتے ہیں کہ؛

"فصبرت و فی العین قذی و فی الحلق شجی"

میں نے اس حال میں صبر کیا کہ میری آنکھ میں خار تھا اور حلق میں ہڈی تھی۔

قرآن مجید نے بھی اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے اور فرمایا ہے کہ؛

"وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم و من ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیأ و سیجزی اللہ الشاکرین"([1])

[1]۔سورہ آل عمران/۱٤٤

محمد، خدا وند عالم کے رسول ہیں اور اس سے قبل بھی دوسرے رسل آئے ہیں کیا اگر وہ مرجائے یا قتل ہو جائے تو تم گذشتہ دین کی طرف لوٹ جاو گے ؟ اور جو بھی گذشتہ حالات کی طرف لوٹے اس نے خدا کو ہر گز کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے اور خداوند عالم عنقریب شاکرین کو جزا دے گا۔

تیسرا حصہ

امام و خلیفہ کی خصوصیات

اہل سنت کی نگاہ میں

اہم خصوصیات

طرفین کے عقیدہ کی رو سے اگر شیعہ اپنے مبنی سے تنزل بھی کریں پھر بھی ابوبکر وغیرہ میں مقام امامت کی قابلیت و صلاحیت موجود نہیں ہے اس لئے کہ اہل سنت کے ہاں بھی امام اور جانشین رسول خدا کیلئے کچھ خصوصیات کا ہونا ضروری ہے۔

اہل سنت کے ہاں عمومی صفات یعنی مرد ، بالغ، عاقل اور آزاد ہونے کے علاوہ جو خصوصیات امام و جانشین رسول خدا کیلئے بیان کی گئی ہیں انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے؛

پہلا حصہ: ایسی صفات جن پر تمام اہل سنت کا اجماع و اتفاق ہے۔

دوسرا حصہ: صفت عصمت البتہ اس کے معتبر نہ ہونے پر اتفاق نظر ہے اہل سنت کے محققین کہتے ہیں کہ خلیفہ و جانشینی رسول خدا میں عدالت کافی ہے اسے عصمت کی ضرورت نہیں ہے۔

البتہ بعض صفات میں متاخرین علماء کے ہاں جزوی طور پر اختلاف بھی پیدا ہوا ہے جو ہماری بحث سے خارج ہے کیوں کہ ہماری بحث کا محور خلافت ابوبکر ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ اس میں یہ صفات موجود تھیں یا نہیں تھیں وہ خصوصیات جن پر اہل سنت کا اجماع و اتفاق ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔اجتہاد و علم

۲۔عدالت

۳۔شجاعت

پہلی خصوصیت کی بناء پر امام و خلیفہ کو دینی مسائل میں عالم و مجتہد ہونا چاہئے اس لئے کہ دور و نزدیک سے

دین پر شبہات وارد کئے جاتے ہیں اگر خلیفہ میں یہ صفت نہ ہو تو پھر وہ دین کی معنوی حفاظت نہیں کر سکتا۔

عدالت کے سلسلہ میں بھی یہ کہیں گے کہ خلافت، رسول خدا کی نیابت ہے اور فاسق و فاجر شخص رسول خدا کی نیابت نہیں کر سکتا کیوں کہ جس کا نائب بن رہا ہے وہ معصوم ہے۔

خلیفہ کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اسے شجاع ہونا چاہئے تاکہ ضرورت پڑنے پر اسلامی مملکت کی حفاظت کر سکے اور اس میں لشکر کو آمادہ اور اس کی قیادت کرنے کی صلاحیت ہونا چاہئے۔

کیا ابوبکر میں یہ صفات موجود تھیں؟

اب یہ دیکھنا ہے کہ کیا ابوبکر میں یہ شرائط موجود تھیں یا نہیں؟ اگر جواب منفی میں ہو تو پھر عمر و عثمان کی خلافت پر بھی سوالیہ نشان لگ جائے گا اس لئے کہ ان دونوں کی خلافت بھی در اصل ابوبکر کی خلافت کا ہی تسلسل ہے جس طرح امیر المومنین علیؑ کی امامت کے بعد گیارہ اماموں کی خلافت و امامت بھی علی ابن ابی طالبؑ کی خلافت پر موقوف ہے۔

لہذا انتہائی منصفانہ انداز میں ابوبکر کے حالات زندگی کو دیکھا جائے کہ کیا اس میں یہ صفات و خصوصیات موجود تھیں یا نہیں؟ اور اس طرح امیر المومنین علیؑ کی خلافت و امامت کی حقانیت خود بخود ثابت ہوجائے گی اس لئے کہ اس سے قبل بیان کیا جاچکا ہے کہ رسول خدا کی جانشینی و خلافت ان دو افراد کے مابین متنازع ہے۔

ابوبکر کی شجاعت

خلیفہ و امام میں اہم ترین صفت اس کا شجاع ہونا ہے ہم اس صفت کو ابوبکر میں دو جہات سے دیکھیں گے۔

۱۔رسول خدا ﷺ کے زمانہ میں ابوبکر کی شجاعت

۲۔رسول خدا ﷺ کے بعد ابوبکر کی شجاعت

اس بات میں کسی قسم کے شك و تردید کی گنجائش نہیں ہے کہ ابوبکر نے رسول خدا ﷺ کی رحلت کے بعد کسی بھی جنگ میں شرکت نہیں کی ہے اور نہ ہی راہ خدا میں قبضہ تلوار پر ہاتھ رکھا ہے ایسا کوئی واقعہ ہی پیش نہیں آیا جس میں وہ داد شجاعت دے سکتے۔

البتہ رسول خدا ﷺ کے زمانے میں ابوبکر جوان تھے طبعی بات ہے کہ ان میں ولولہ اور قوت زیادہ تھی لیکن

اس کے باوجود ہم نے اہل سنت کی تمام کتب کی تحقیق کی ہے ہمیں نہ صرف کسی مقام پر ان کی بہادری و شجاعت نہیں ملی بلکہ اس کے برعکس بعض حساس مواقع پر ان سے ایسی حرکات سرزد ہوئی ہیں جس کی وجہ سے نہ صرف اس کا بلکہ اس کے پیروکاروں کا سر بھی ندامت سے جھک گیا ہے۔

ابوبکر و عمر کا جنگ میں فرار

اہل سنت کے بزرگ محققین، سیرت نویسان، موٴرخین اور محدثین نے وضاحت کی ہے کہ جنگ احد میں ایسے

حالات پیدا ہوئے تھے کہ مشرکین نے ابتدائی شکست و پسپائی کے بعد دوبارہ یکجا ہوکر مسلمانوں پر حملہ کیا تھا اور ان کا ارادہ تھا کہ رسول خدا کو قتل کر دیا جائے اور مسلمانوں کی طاقت کو ختم کر دیا جائے اس حساس موقع پر دوسروں کی طرح ابوبکر اور عمر نے بھی رسول خدا کو نرغہ اعداء میں تنہا چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی اور اپنی جان بچانے کی فکر میں لگ گئے۔ بطور نمونہ ان مدارک میں ہر دو کے فرار کو بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ابوداوود طیالسی ، کتاب السنن

۲۔ابن سعد، کتاب الطبقات الکبری

۳۔طبرانی کتاب المعجم

٤۔ابوبکر بزار کتاب المسند

٥۔ابن حبان کتاب الصحیح

٦۔دار قطنی کتاب السنن

٧۔ابونعیم اصفہانی حلیہ الاولیاء

٨۔ابن عساکر کتاب تاریخ مدینہ دمشق

٩۔ضیاء مقدسی کتاب المختارہ

١٠۔متقی ہندی کتاب کنز العمال ([١])

حاکم نیشاپوری نے جنگ حنین کے بارے میں ابن عباس سے صحیح روایت کو نقل کیا ہے کہ ابن عباس کہتے ہیں کہ؛

[١]۔رجوع کریں، کنز العمال ١٠/٤٢٤

جنگ حنین میں تنہا وہ مرد مجاہد جس نے رسول خدا ؐ کے ساتھ جہاد کیا اور ان سے دفاع کیا وہ علی ابن ابی طالب ؑ تھے ان کے علاوہ دوسرے سب صحابہ نے راہ فرار اختیار کی تھی۔[1]

اہل سنت کے بزرگ محققین نے جنگ خیبر میں ابوبکر و عمر کے فرار کرنے کو بیان کیا ہے بطور نمونہ؛

۱۔احمد ابن حنبل کتاب المسند

۲۔ابن ابی شیبہ کتاب المصنف

۳۔ابن ماجہ قزوینی کتاب سنن المصطفی ؐ

٤۔ابوبکر بزار در المسند

[1] ۔المستدرک علی الصحیحین ۱۱۱/۳

۵۔طبری کتاب تفسیر و تاریخ

۶۔طبرانی کتاب المعجم الکبیر

۷۔حاکم نیشاپوری کتاب المستدرک علی الصحیحین

۸۔بیہقی کتاب السنن الکبری

۹۔ضیاء مقدسی کتاب المختارہ

۱۰۔ہیثمی کتاب مجمع الزوائد

متقی ہندی نے کتاب کنز العمال میں ابوبکر و عمر کے جنگ خیبر میں فرار کو مندرجہ بالا افراد سے نقل کیا ہے۔[۱]

---

[۱]۔رجوع کریں، کنز العمال ۳۷۱/۸

جنگ خندق اور حضرت علیؑ کی شجاعت

اسلام کی اہم ترین جنگوں میں سے ایک جنگ خندق ہے اس جنگ میں علی ابن ابی طالب سپاہ کفر و شرک کے مقابلے میں آئے تھے اس جنگ میں رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا؛

"لضربۃ علی یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین"

جنگ خندق میں علی ابن ابی طالبؑ کی ایک ضربت خدا وند عالم کے نزدیک جن و انس کی عبادت سے افضل ہے۔

بعض مدارک میں یوں منقول ہے کہ رسول خدا نے کچھ اس طرح ارشاد فرمایا ہے؛

"لضربۃ علی فی یوم الخندق افضل من عبادۃ الامۃ الی یوم القیامۃ"[1]

جنگ خندق میں علی ابن ابی طالبؑ کی ایک ضربت تمام امت کی قیامت تک کی عبادت سے افضل ہے۔

[1]۔المستدرک علی الصحیحین ج۳ ص ۳۲

شیخین کی شجاعت اور ابن تیمیہ کی توجیہ

ایک طرف تو امام اور مسلمانوں کے خلیفہ کی یہ بنیادی شرط ہے کہ اسے شجاعت و بہادر ہونا چاہئے اور دوسری طرف رسول خدا کی حیات میں حساس مقامات پر شیخین کا جنگ سے فرار نے اہل سنت کو عجیب کشمکش میں مبتلا کردیا ہے چنانچہ وہ اس دلدل سے نکلنے کیلئے ہاتھ پاؤں مارنے لگے چنانچہ ان کے شیخ الاسلام یعنی ابن تیمیہ جو ایسے مواقع پر ہی مشکلات کا حل نکالنے کے

دَھنی ہیں، نے ایک معقول (!!)راہ حل نکالی وہ اس سلسلہ میں کچھ یوں کہتا ہے:

اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے کہ خلیفہ و اسلامی حاکم کیلئے شجاعت بہت ضروری ہے لیکن شجاعت کی دو قسمیں ہوتي ہیں:

١۔ شجاعت قلبی

٢۔ شجاعت جسمانی

یہ بات صحیح ہے کہ ابوبکر میں شجاعت جسمانی نہیں تھی لیکن ان میں شجاعت قلبی تھی اور اسلامی حاکم کیلئے اتنی ہی شجاعت کافی ہے(!!) وہ اپنی بات کو مزید بڑھاتے ہوئے کہتا ہے کہ:

اگر تم یہ کہتے ہو کہ علیؑ اہل جہاد اور قتال تھے تو ہم کہیں گے کہ عمر بن خطاب بھی راہ خدا میں اہل قتال و جنگ تھا لیکن جاننا چاہئے کہ جنگ کی دو اقسام ہیں:

۱۔ تلوار کے ساتھ جنگ

۲۔ دعا کے ساتھ جنگ

عمر بن خطاب نے دعا کے ذریعہ راہ خدا میں جنگ کی ہے (!!)

اس کے بعد ابن تیمیہ نے علی ابن ابی طالبؑ کے محیر العقول معرکہ جہاد کے مقابلے میں ابوبکر کی شجاعت بدنی کو ثابت کرنے کیلئے ایک واقعہ کا سہارا لیا ہے وہ لکھتا ہے کہ:

بخاری و مسلم نے اپنی کتب میں اس روایت کو اس انداز میں نقل کیا ہے:

عروۃ بن زبیر کہتا ہے میں نے عمر بن عاص کے بیٹے عبداللہ سے پوچھا کہ مشرکوں کا رسول خدا ؐ کے ساتھ سخت ترین سلوک کون سا تھا یعنی مشرکین کی طرف سے پیغمبر اسلام ؐ کو سخت ترین اذیت کون سی دی گئی تھی؟

اس نے جواب دیا: ایک دن رسول خدا ؐ نماز میں مشغول تھے کہ اتنے میں عقبہ بن ابی محیط آیا اور اس نے آنحضرت ؐ کے گلے میں اپنی چادر کا پھندا ڈال کر زور سے کھینچا اس دوران ابوبکر وہاں پر آ گئے اور انہوں نے عقبہ کا شانہ پکڑ کر اسے ایک طرف پھینک دیا اور کہا کہ کیا تو اس

شخص کو قتل کرنا چاہتا ہے جو یہ کہتا ہے میرا پروردگار خدا ہے۔(۱)

ہم ابن تیمیہ کے اس کلام کا فیصلہ قارئین کرام اور اہل انصاف پر چھوڑتے ہیں۔جو کچھ بیان ہوا ہے اس میں ہم نے ابوبکر کی شجاعت کو بیان کیا ہے کیوں کہ اسلامی حکمران اور رسول خدا کا جانشین بننے کیلئے اس صفت کا ہونا ضروری ہے اور اہل سنت کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے۔

۱۔منہاج السنۃ ۸۵/۸

عدالت ابوبکر

ابوبکر کی خلافت کے دوران ایسے دلخراش واقعات رونما ہوئے ہیں جن سے بخوبی واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ وہ فاقد عدالت تھا جملہ واقعات میں سے چند ایک کی طرف اشارہ کرتے ہیں؛

۱۔حضرت صدیقہ طاہرہ (س) کے گھر پر حملہ

۲۔فدک کا غصب کرنا

ابوبکر کی خلافت اور مالکؒ بن نویرہ کا قتل

ابوبکر کی خلافت کے دوران ایکؒ ایسا واقعہ رونما ہوا ہے جس نے اسلام کے نورانی چہرے پر بدنما داغ کو چھوڑا ہے اور وہ مالکؒ بن نویرہ کی شہادت ہے۔

قبیلہ بنی یربوع ایکؒ بڑا اور باشخصیت قبیلہ تھا اور اس قبیلہ کا سردار مالکؒ بن نویرہ تھا وہ باوقار شخصیت کے مالکؒ تھے اپنے قبیلے کے ہمراہ رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوکر حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے اس قبیلہ کا

شمار بھی ان قبائل میں ہوتا ہے جو آخر تک اسلام کے ساتھ وفادار رہے ہیں۔

کیوں کہ مالک بن نویرہ نامور شخصیت تھے اس لئے کہ رسول خدا نے انہیں اپنا نمائندہ قرار دیا تھا تاکہ لوگوں سے زکواۃ وغیرہ کی جمع آوری کریں اور انہیں فقراء کے مابین تقسیم کریں اور فرمایا تھا کہ ان صدقات کو مدینہ لانے کی ضرورت نہیں ہے۔

جس وقت سقیفہ میں ابوبکر کو خلیفہ منتخب کیا گیا مالک بن نویرہ نے اس کی بیعت نہیں کی اور اس کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا (کیوں کہ ابھی واقعہ غدیر کو گزرے ہوئے تین ماہ بھی نہ گذرے تھے اور حجۃ الوداع کے موقع پر تمام حاضرین نے حضرت علیؑ کی رسول خدا کے

جانشین اور امام کے طور پر بیعت کی تھی چنانچہ مالک بن نویرہ جیسے افراد کا ابوبکر کی بیعت سے سرپیچی کرنا ایک معقول امر معلوم ہوتا ہے۔)

ابوبکر نے یہ بہانہ بناتے ہوئے کہ مالک بن نویرہ نے صدقات کو نہیں بھیجا لہذا وہ منکر زکواۃ ہوگیا ہے خالد بن ولید کو مالک بن نویرہ کے ساتھ جنگ کیلئے روانہ کیا خالد بن ولید اور اس کا لشکر رات کی تاریکی میں قبیلہ یربوع پر وارد ہوا قبیلہ یربوع نے بھی اسلحہ اٹھایا اور مسلح ہوگئے نماز کے وقت اپنے اسلحہ کو زمین پر رکھا اور نماز میں مشغول ہوگئے خالد بن ولید نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے حکم دیا کہ مالک بن نویرہ کو گرفتار کرکے اس کا سر تن سے جدا کردیا جائے۔

مالک نے اسے کہا کہ میرے قتل کا حکم کیوں دے رہے ہو؟

خالد نے کہا کہ تو مرتد ہو گیا ہے۔

مالک نے کہا کہ چند لحظہ قبل تمہارے ساتھ اذان کہی ہے اور نماز پڑھی ہے پس کس طرح ہم مرتد ہو گئے ہیں؟ حد اقل مجھے مدینہ بھیج تاکہ ابوبکر کے ساتھ مذاکرات کروں اور اس کے تقاضے کو پورا کروں۔

سرانجام خالد بن ولید کے حکم سے مالک بن نویرہ کے سر کو تن سے جدا کر دیا گیا اور اسی شب خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ کی زوجہ کے ساتھ زنا کیا مالک اور قبیلہ

یربوع کے مردوں کے سر کو غذا پکانے کیلئے لکڑی کے طور پر استعمال کیا گیا۔(۱)

مدینہ میں اس خبر کے پھیلنے سے ہلچل مچ گئی نہ صرف امیر المومنین علیؑ جو کہ غیرت و حق پرستی کا مظہر تھے اور مظلوم کے مدافع تھے بلکہ عمر بن خطاب، سعد بن ابی وقاص اور طلحہ جیسے افراد بھی حرکت میں آگئے اور ابوبکر کے پاس شکوہ کیا۔ یہ عکس العمل بڑا واضح و آشکار تھا۔ (اگر چہ امیر المومنین علیؑ کے عکس العمل کے علاوہ دوسروں کے عکس العمل میں خدائی رنگ نہیں

۱۔رجوع کریں تاریخ طبری ج ۲ ص ۵۰۳؛ الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۳۵۷؛ تاریخ الاسلام ج ۳ ص ۳۲؛ الاستیعاب ج ۳ ص ۱۳۶۲؛ اور دوسری اسلامی تاریخ کی کتب۔

تھا اور اس مطلب کی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے)

ایک طرف بے گناہ مسلمانوں کا قتل عام اور دوسری طرف ایسی عورت کے ساتھ زنا جس کا شوہر اسی رات قتل ہوا ہے یعنی وہ عدت میں ہے سے مدینہ میں شورش برپا ہوگئی جس وقت خالد بن ولید مدینہ واپس پلٹا اس وقت عمر بن خطاب نے اسے کہا تو زناکار ہے میں خود تجھے رجم کروں گا۔(1)

1۔ یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ جس وقت عمر بن خطاب مسند خلافت پر بیٹھا تو جس خالد بن ولید کو اس نے رجم کی دھمکی دی تھی اسے دمشق کا والی بنا دیا (!!)؛ سیر اعلام النبلاء ۱/۳۷۸

مدینہ میں ہنگامہ برپا ہوگیا اور ہر طرف سے سر و صدا بلند ہونے لگی اب ابوبکر نے فیصلہ کیا کہ خالد بن ولید کے سلسلہ میں شرعی حکم کو جاری کریں جی ہاں ابوبکر نے کیا خوب حکم الٰہی کو جاری کیا تاکہ دوسرے عبرت حاصل کریں اور ایسا گناہ کرنے کی فکر نہ کریں۔

ابوبکر نے خالد بن ولید کی طرف نگاہ کی اور کہا میرے خیال میں تم نے برا کام انجام دیا ہے اور اپنے وظیفہ کی تشخیص میں خطا کی ہے تمہیں چاہئے کہ اس عورت کے ساتھ دوبارہ ہمبستری نہ کریں بلکہ تمہیں چاہئے کہ اس عورت سے جدا ہو جائیں (!!)

سقیفہ کے منتخب خلیفہ جس کیلئے بنیادی شرط عدالت ہے نے حد اکثر جو رد عمل دکھایا وہ یہ ہے کہ اس نے کہا کہ تو نے برا کام انجام دیا ہے"۔

اب آتے ہیں اس مذہب کے محققین کی طرف جو اس مسئلہ کی توجیہ کرتے ہیں اور اس مسلک کی علمی و اعتقادی مشکلات کا راہ حل نکالتے ہیں وہ اس سلسلہ میں یوں رقمطراز ہیں:

بعض نے یہ کہا کہ ہمیں کیا معلوم ممکن ہے کہ مالک بن نویرہ کی زوجہ نے طلاق لے رکھی ہو اور اس کی عدت بھی تمام ہوچکی ہو لیکن ابھی تک مالک بن نویرہ کے گھر رہ رہی ہو (!!) لہذا خالد بن ولید نے شوہر دار عورت جو عدت میں تھی کے ساتھ زنا نہیں کیا ہے (!!)

بعض نے یوں توجیہ کی ہے کہ شاید مالکؒ بن نویرہ کی بیوی حاملہ تھی اور مالکؒ کے قتل کے بعد اور خالد بن ولید کے ہمبستر ہونے سے قبل اس نے وضع حمل کر دیا ہو نتیجتاً کہہ سکتے ہیں کہ خالد بن ولید نے عدت کے ایام میں ہمبستری نہیں کی ہے (!!)

قاضی عبدالجبار معتزلی اور ابن عبدالبر صاحب کتاب الاستیعاب نے یوں نظر دی ہے: خالد بن ولید نے اس سلسلہ میں جلد بازی سے کام لیا ہے اور جلد بازی برا کام ہے (!!)

انہوں نے اس بات کی طرف اصلاً اشارہ نہیں کیا کہ ابوبکر نے خالد بن ولید کو خاص حکم دے کر اس مقصد کیلئے کیوں بھیجا اور پھر جب خالد سے شرمناک حرکت

سرزد ہوئی تو رد عمل کیوں نہیں دکھایا؟ کیوں؟ اس لئے کہ ان سوالات کے جوابات سے ابوبکر کی خلافت و امامت پر سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

مولوی عبدالعزیز دہلوی صاحب کتاب تحفہ اثنا عشریہ نے ایک اور توجیہ کی ہے وہ یہ کہ اصلاً خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ کی زوجہ کے ساتھ ہمبستری ہی نہیں کی ہے۔(!!)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان تمام کتابوں کی گواہی جس میں اس واقعہ کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے سے یہ واقعہ ثابت نہیں ہوتا تو پھر ان کتابوں کی دوسری باتوں کو کیوں قبول کیا جاتا ہے؟ اور اگر ان کتابوں کا اعتبار ختم ہو جائے تو پھر تاریخ اسلام کی شناخت اور معارف شریعت کی پہچان کیلئے کہاں رجوع کریں گے؟

ابوبکر کا علم و دانش

رسول خدا ﷺ کی جانشینی کیلئے اہل سنت جس اور صفت کو معتبر سمجھتے ہیں وہ خلیفہ کا علم و اجتہاد سے آراستہ ہونا ہے اب مختصراً ابوبکر کے علم و اجتہاد کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

ہم اس حصے میں وہ علوم جو حس سے وراء ہیں جیسے علم ملائکہ ، جن، افلاک، حرکات کہکشاں، حرکات سیارات، حرکات کرات سماوی، دوسرے سیاروں کی مخلوق اور ان کی خصوصیات وغیرہ سے بحث نہیں کریں

گے بلکہ اس علم کی بحث کریں گے جو ایک اسلامی دانشور (نہ کہ خلیفہ و جانشین پیغمبر) کیلئے ضروری ہے اور پھر اس کے تناظر میں ابوبکر کے علم کا احاطہ کریں گے۔

جلال الدین سیوطی اہل سنت کے بزرگ محققین میں شمار ہوتے ہیں اور ان کے ہاں انتہائی محترم شمار کئے جاتے ہیں وہ اپنی کتاب الاتقان فی علوم القرآن میں لکھتے ہیں:

ابوبکر سے جو کچھ تفسیر قرآن کے سلسلہ میں منقول ہوا ہے اس کی تعداد دس موارد سے زیادہ نہیں ہے۔[1]

---

[1] ۔الاتقان فی علوم القرآن ۱۸۷/۲

اس کے بعد سیوطی نے امیر المومنین علیؑ کے علم کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ علیؑ کا قرآن کے بارے میں علم اتنا زیادہ تھا کہ عمومی محافل میں ندا دیا کرتے تھے کہ اے لوگو! جو کچھ علوم قرآن کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو وہ مجھ سے پوچھو آیات کہاں نازل ہوئیں کیا رات کو نازل ہوئیں یا دن کو سفر میں یا حضر میں نازل ہوئیں ان کا علم میرے پاس ہے۔[1]

ابوبکر رسول خدا ؐ کے ساتھ زیادہ عرصے تک رہا ہے چنانچہ مختلف مسائل میں احادیث بھی ان سے زیادہ منقول ہونا چاہئے جب کہ سیوطی حدیث کے سلسلہ میں ابوبکر کے بارے میں یوں کہتے ہیں کہ:

---

[1]۔ایضاً

ابوبکر سے منقول احادیث کی تعداد اسی بھی نہیں ہے۔[1]

مولائے کائناتؑ کا علم

اہل سنت کے محققین نے اپنی مختلف تفسیری، حدیثی، رجالی، سیرت اور تاریخی کتب میں مختلف مناسبت سے علی ابن ابی طالب کے علم کے بارے میں بیان کیا بطور مثال قرآن مجید کی آیہ کریمہ میں آیا ہے:

"وتعیها اذن واعیۃ"(۲)

[1] ۔تاریخ الخلفاء ۴۱

[2] ۔سورہ حاقہ/۱۲

ہوشمند کان ہی ان کو درک کرتے ہیں۔

تمام اہل سنت کے مفسرین نے اس آیہ کے ذیل میں کہا ہے کہ اس سے مراد، علی ابن ابی طالبؑ کی ذات ہے جو ہر علم و دانش و معرفت اور حق و حقیقت کیلئے سراپا گوش ہے اور کمال کو اخذ کرنے والی ہے وہ ایسی ذات ہے جو اس سلسلہ میں خطا اور فراموشی سے بھی منزہ ہے اس طرح اہل سنت کی حدیث کی کتب میں بار بار آیا ہے کہ رسول خدا نے امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"انا مدینۃ العلم و علی بابھا فمن اراد المدینۃ فلیات الباب" ([1])

[1] ۔یہ حدیث اہل سنت کی بہت زیادہ کتابوں میں آئی ہے جیسے؛ تھذیب الآثار، مسند امام علی علیہ السلام ص ۱۰۵ رقم ۱۷۳؛ تاریخ الخلفاء ۱۳۵؛ المعجم الکبیر

میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں پس جو شخص شہر میں داخل ہونا چاہے اسے چاہئے کہ وہ دروازے سے آئے۔

رسول خدا ﷺ نے ایک اور حدیث میں فرمایا:

"انا دار الحکمۃ و علی بابھا"(۱)

۶۵/۱۱ رقم ۱۱۰۶۱؛ تاریخ بغداد ۳۴۸/۴، ۷؛ ۱۷۲، ۱۱؛ /۲۰۴؛ الاستیعاب ۱۱۰۲/۳؛ فردوس الاخبار؛ ۷۶/۱؛ اسد الغابہ ۲۲/۴؛ الریاض النضرہ ۱۵۹/۲؛ تھذیب الکمال ۴۸۵/۲۰، ؛ تاریخ جرجان ۶۵؛ تذکرہ الحفاظ ۱۲۳۱/۴؛ البدایہ والنھایۃ ۳۵۸/۷؛ مجمع الزوائد ۱۱۴/۹؛ اتحاف السادۃ المتقین ۲۲۴/۶؛ المستدرک علی الصحیحین ۱۲۶/۳ و ۱۲۷؛ ترجمۃ الامام علی علیہ السلام من تاریخ مدینۃ دمشق ۴۶۴/۲ رقم ۹۸۴؛ جامع الاصول ۶۵۷/۸ رقم ۶۵۰۱؛ الجامع الصغیر ۴۱۵/۱ رقم ۲۷۰۵؛ الصواعق المحرقہ ۱۸۹؛ کنز العمال ۶۱۴/۱۱ رقم ۳۲۹۷۸ و ۳۲۹۷۹؛ فیض القدیر ۴۶/۳؛

۱۔فضائل امیر المومنین علیہ السلام ۱۳۸، حدیث ۲۰۳؛ سنن ترمذی ۸۵/۶ تھذیب الآثار مسند امام علی علیہ السلام ۱۰۴ حدیث ۸؛ حلیۃ الاولیا ۶۴/۱ مشکاۃ المصابیح ۵۰۲/۲ حدیث ۶۰۹۶؛ اسنی المطالب ۷۰؛ الریاض النضرۃ ۱۵۹/۲؛ شرح المواھب الدنیہ

میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔

اسی طرح پیغمبر اسلام نے ارشاد فرمایا:

"انا مدینۃ الفقہ و علی بابہا"(۱)

میں فقہ کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

پیغمبر اسلام نے امت میں اختلافات کی صورت میں امیر المومنین علیؑ کو مرجع علمی قرار دیا ہے اور آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

"یا علیؑ انت تبین لامتی مااختلفوا فیہ من بعدی"(۱)

۱۲۹/۳؛ الجامع الصغیر ۴۱۵/۱ حدیث ۲۷۰۴؛ الصواعق المحرقہ ۱۸۹؛ کنزل العمال ۶۰۰/۱۱، حدیث ۳۲۸۸۹ و ۱۴۷/۱۳، حدیث ۳۶۴۶۲؛ فیض القدیر ۴۶/۳

۱۔ رجوع کریں؛ نفحات الازہار فی خلاصۃ عبقات الانوار؛ ۱۶۱/۱۰

اے علیؑ! میرے بعد امت جس چیز میں اختلاف کرے گی اسے تو بیان کرے گا۔

یہ وہ مقام ہے جو خداوند عالم نے قرآن مجید میں پیغمبر اسلام ﷺ کیلئے قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

"فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما"(۲)

۱۔المستدرک علی الصحیحین ۱۲۲/۳، ترجمة الامام علی علیہ السلام من تاریخ مدینہ دمشق ۴۸۷/۲ و ۴۸۸ حدیث ۱۰۰۷ و ۱۰۰۸ و ۱۰۰۹؛ کنزل العمال ۶۱۵/۱ حدیث ۳۲۹۸۳؛ حلیة الاولیاء ۶۴/۱

۲۔سورہ نساء /۶۵

جی ہاں یہ وہی مقام ہے جو خداوند عالم نے اتنی تاکیدات کے ساتھ (اہل علم بلاغت پر یہ بات مخفی نہیں ہے) رسول خدا کے لیے قرار دیا ہے اسی مقام کو رسول خدا ، امیر المومنین علیؑ کیلئے بیان فرما رہے ہیں۔

اسی وجہ سے ابن عباس کہتے ہیں:

اگر کسی مسئلہ میں علی ابن ابی طالبؑ سے کوئی مطلب ہم تک پہنچ جائے تو ہم کسی دوسرے شخص کے کلام کے منتظر نہیں رہیں گے۔[1]

ابن عباس ایک اور مقام پر کہتے ہیں:

[1] ۔تہذیب الاسماء واللغات ۱/۳٤٦

اگر علم کے دس حصے کئے جائیں تو نو حصے علی ابن ابی طالبؑ کے پاس اور ایک حصہ تمام صحابہ و تابعین اور امت کے دوسرے افراد کیلئے ہے اور اس ایک حصے میں بھی علی ابن ابی طالبؑ ان کے ساتھ شریک ہے۔(۱)

حافظ نووی کہتے ہیں بزرگ صحابہ (ابوبکر عمر، عثمان، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ، زبیر وغیرہ) امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ سے فتاوی کو اخذ کرتے تھے اور مسائل و مشکلات میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے یہ ایک مشہور بات ہے سب اس کو جانتے ہیں۔(۲)

۱۔ایضاً

۲۔ایضاً

ابن حزم اندلسی (جس کے ناصبی ہونے میں شک نہیں ہے اور امیر المومنین علیؑ کے ساتھ دشمنی رکھنے میں دوسروں سے سبقت رکھتا ہے) نے کتاب الاحکام فی اصول الاحکام میں بہت سارے شرعی مقامات کی نشان دہی کی ہے جس سے صحابہ آگاہی نہیں رکھتے تھے اور خصوصا ابوبکر و عمر و عثمان اور عائشہ کا نام ذکر کیا ہے اور جن موارد میں انہیں آگاہی نہیں تھی اس کو بیان کیا ہے لیکن امیر المومنین علیؑ کے بارے میں لکھتا ہے۔

مجہولات کو حل کرنے کے سلسلہ میں علی ابن ابی طالبؑ کی طرف رجوع کرتے تھے اور علی ابن ابی طالبؑ حکم خدا کو جہال کے سامنے بیان فرماتے۔[۱] یہ بات

---

[۲]۔ الاحکام فی اصول الاحکام ۲۴۴۔۲۴۸ و تہذیب الاسماء و اللغات ۳۴۶/۱

مخفی نہ رہے کہ عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان بھی علمی لحاظ سے ابوبکر سے مختلف نہیں تھے بلکہ اس سے بد تر تھے۔[1]

اب قرآن مجید کی اس آیہ مبارکہ کی یاد آوری کرواتے ہیں جن میں احسن انداز سے فرمایا گیا ہے:

"افمن یهدی الی الحق احق ان یتبع ام من لا یهدی الا ان یهدی فما لکم کیف تحکمون" (۲)

مناسب معلوم ہوتا ہے اس بحث کے آخر میں حسن اختتام کے طور پر صحیح بخاری سے ایک واقعہ کو نقل کرتے ہیں جو عدالت اور علم دونوں کے ساتھ مربوط ہے:

---

[1]۔رجوع کریں، الغدیر جلد ۶،۷ و ۸

[2]۔سورہ یونس/۳۵

ابوبکر کی خلافت کے زمانے میں بحرین سے مدینہ میں مال لایا گیا جابر بن عبداللہ انصاری جو ابوبکر کی محفل میں موجود تھے انہوں نے کچھ یوں اظہار نظر کیا:

قبل اس کے کہ رسول خدا کا دنیا سے وصال ہو مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ جس وقت بحرین سے مال آئے گا اتنی مقدار میں تجھے عطا کروں گا۔

ابوبکر بغیر اس کے کہ وہ جابر بن عبداللہ انصاری سے گواہ طلب کرتا صرف ان کے اظہار سے اتنا مال دے دیا۔[1]

سب جانتے ہیں کہ کوئی شخص بھی جابر بن عبداللہ انصاری کے حق میں عصمت کے مقام کا دعوی نہیں کرتا

[1] ۔الکواکب الدراری فی شرح البخاری ۱۲۵/۱۰؛ فتح الباری فی شرح البخاری ۳۷۵/٤؛ عمدۃ القاری فی شرح البخاری ۱۲۱/۱۲

لیکن فاطمہ الزہراء (س) جن کے بارے میں خود اہل سنت نے اپنی مختلف کتب میں مناقب و فضائل کو بیان کیا ہے۔[1] حتی کہ اس صدیقہ کبری کے بارے میں صحیح بخاری وغیرہ میں جو فضائل پر مشتمل احادیث ہیں ان میں اس بات کے بھی قائل ہوئے ہیں:

"هی افضل من الشيخين"

وہ (یعنی فاطمہ زہرا (س)) ابوبکر و عمر سے افضل ہیں۔

در حالانکہ یہ کلام امیر المومنین علیؑ کے حق میں بھی نہیں کہتے ہیں اتنی باعظمت خاتون دعوی کرتي ہیں کہ

---

[1] ۔مسند احمد ۲۸۲/۶ ؛ الطبقات الکبری ۱۹/۸ تا ۳۰ ؛ حلیة الاولیاء ۳۹/۲ و ۴۳؛ المستدرک علی الصحیحین ۱۵۱/۳ تا ۱۶۱؛ الاستیعاب ۱۸۹۳/۴؛ جامع الاصول ۱۲۵/۹؛ اسد الغابہ ۲۲۰/۷ ؛ تہذیب الکمال ۱۶۹؛ مجمع الزوائد ۲۰۱/۹ تا ۲۱۲؛ الاصابة ۱۳ /۷۱؛ کنز العمال ۶۷۴/۱۳ ؛ شذرات الذهب ۱/۹، ۱۰ و ۱۵

اس سے قبل کہ میرے بابا اس دنیا سے جائیں انہوں نے مجھے فدک بخش دیا تھا لیکن ابوبکر ان سے گواہ طلب کرتا ہے جابر ابن عبداللہ انصاری معصوم نہیں ہے لیکن صرف صحابی ہونے کے ناطے (صحیح بخاری کی شرح کرنے والوں کی توجیہ کے مطابق) اس کا قول قابل قبول ہے کیوں کہ اس کا مقام اس سے بلند و رفیع ہے کہ وہ رسول خدا پر جھوٹ باندھے لیکن فاطمہ زہراء (س) جو مقام عصمت پر فائز ہیں سے گواہ طلب کئے جاتے ہیں۔(!!)

بہتر ہو گا کہ اہل سنت کے علماء دانشمند اپنے عقول و افکار پر تجدید نظر کریں اور قیامت کی فکر کریں کیا ابوبکر کے ان دو متضاد افعال کی کوئی معقول توجیہ گھڑ سکتے ہیں؟

کیا ان کے پاس خلیفہ کے ان دو متضاد عکس العمل کا کوئی قانع کنندہ جواب موجود ہے؟

منابع و مآخذ

منابع و مآخذ

۱ـ قرآن کریم

۲ـ نهج البلاغه

"الف"

الاتقان فی علوم القرآن: جلال الدین سیوطی، دار الفکر، لبنان بیروت سال ۱۴۱٦ھ

الاحکام في اصول الاحکام: علیؑ بن محمد آمدي، دار الکتاب عربي، بیروت طبع دوم، ۱۴۰٦ھ

الاستیعاب: ابن عبد البر، دار الکتب علمیہ، بیروت، لبنان، طبع اول، ۱۴۱۲ھ

اُسد الغابۃ: ابن اثیر جزری، دار الکتب علمیہ، بیروت، لبنان

الاصابۃ: ابن حجر عسقلاني، دار الکتب علمیہ، بیروت، لبنان، طبع اول، ۱۴۱۵ھ

الامامۃ فی اھم الکتب الکلامیۃ: سید علی حسینی میلانی، نشر الحقایق، قم چاپ سوم، سال ۱۴۲٦

انساب الاشراف: **سمعانی دار الفکر بیروت، لبنان چاپ یکم، سال ۱۴۰۸**

"ب"

البداية و النهاية : حافظ ابي فداء اسماعيل بن كثير ، دار احياء تراث عربي ، بيروت ، لبنان، طبع اول ، ١٤٠٨ﻫ

"ت"

تاريخ الاسلام: ذهبي ، دار الكتاب عربى ، بيروت لبنان ، چاپ يكم سال ١٤٠٧

تاريخ الخلفاء : جلال الدين سيوطي ، از منشورات شريف الدين رضي ، قم ، ايران طبع اول ، ١٤١١ﻫ

تاريخ الطبري : ابوجعفر محمد بن جرير طبرى، موسسه اعلمى ، بيروت ، لبنان

تاريخ بغداد : خطيب بغدادي ، دار الكتب علميه، بيروت ، لبنان، طبع اول ، ١٤١٧ﻫ

تجريد الاعتقاد: شيخ نصير الدين طوسى، مكتب اعلام اسلامى ، قم، سال ١٤٠٧

تهذیب الاسماء واللغات: نووی، دار الفکر، بیروت، لبنان، چاپ یکم، سال ١٤١٦

تهذیب التهذیب: ابن حجر عسقلاني، دار الکتب علمیہ، بیروت، لبنان، طبع اول، ١٤١٥ھ

تهذیب الکمال في اسماء الرجال: جمال الدین ابي الحجاج یوسف مزي، مؤسسہ الرسالہ، بیروت، لبنان، طبع پنجم، ١٤١٥ھ

"ج"

جامع الاصول: ابن اثیر، دار الفکر، بیروت، چاپ یکم، سال ١٤١٧

"ح"

حلیة الاولیاء: ابو نعیم اصفہانی، دار الکتب علمیہ، بیروت، لبنان چاپ یکم، سال ١٤١٨

"د"

٢٩. **الدر النضید في مجموعة الحفید**: شیخ الاسلام احمد بن یحیي هروي، طبع افغانستان

"ذ"

الذرية الطاهرة: محمد بن احمد انصاری رازی دولابی، تحیق سید محمد جواد حسینی جلالی، موسسه نشر اسلامی، قم ایران، سال ۱٤۰۷

"س"

سیر اعلام النبلاء : ذهبي، مؤسسه الرساله ، بیروت ، لبنان، طبع نهم ، ۱٤۱۳ھ

السنن الکبری: بیهقی، دارالکتب علمیه، بیروت، لبنان ، سال ۱٤۱٤

"ش"

شذرات الذهب: ابن معاد ، دار الکتب علمیه ، بیروت ، لبنان

شرح المقاصد: تفتازانی ، منشورات شریف رضی، قم، ایران، چاپ یکم سال ۱٤۰۹

شرح المواقف: سید شریف جرجانی، از منشورات شریف رضی، قم، ایران چاپ یکم، سال ۱٤۱۲

شرح نہج البلاغہ: ابن ابی الحدید دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، چاپ دوم سال ۱۳۸۷

"ط"

الطبقات الکبری: ابن سعد ، دار الکتب علمیہ ، بیروت ، لبنان، طبع دوم، ۱۴۱۸ھ

"ع"

العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین: حافظ تقی الدین محمد بن احمد فاسی مکی

عمدۃ القاري فی شرح البخاری: بدر الدین عیني ، دار الفکر ، بیروت، لبنان

"ف"

فتح الباری فی شرح الصحیح البخاری: ابن حجر، دار الکتب علمیہ، بیروت، لبنان، چاپ یکم، سال ۱۴۱۰

الفصل فی الاهواء والملل والنحل: ابن حزم اندلسی ، دار الکتب علمیه، بیروت لبنان، چاپ یکم سال ١٤١٦

"ک"

الکافی: محمد بن یعقوب کلینی دار الکتب اسلامیه ، تهران، سال ١٣٨٨

کنزل العمال: متقی هندی ، دار الکتب علمیه ، بیروت، لبنان چاپ یکم، سال ١٤١٩

الکواکب الدراری: کرمانی ، دار احیاء الثرات العربی، بیروت، لبنان ، چاپ دوم ، سال ١٤٠١

الکامل في التاریخ: ابن اثیر، دار الفکر ، بیروت ، لبنان، ١٣٩٩

"ل"

لسان العرب: جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی مصری، دار الفکر، بیروت، لبنان

"م"

مجمع الزوائدو منبع الفوائد : حافظ نور الدين علیؒ بن ابي بكر هيثمي، دار الفكر، بيروت، لبنان، ١٤١٢ھ

مختصر تاريخ مدينة دمشق: ابن منظور ، دار الفكر، سوريه، دمشق، چاپ يكم، سال ١٤٠٤

المستدرک علی الصحيحين: حاكم نيشا پوري ، دار الكتب علميه ، بيروت، لبنان، طبع اول، ١٤١١ھ

مستدرک الوسائل: ميرزا حسين نوری، تحقيق و نشر موسسہ آل البيت، بيروت، لبنان چاپ دوم، سال ١٤٠٨

المصنف: ابوبكر عبدالرزاق بن همام صنعانی

مسند احمد بن حنبل: احمد بن حنبل شيباني ، دار الاحياء التراث العربي، بيروت، لبنان، طبع سوم، ١٤١٥ھ

منهاج السنة النبويہ: ابن تيميہ حرانی، مكتبہ ابن تيميہ ، قاہرہ ، مصر چاپ دوم، سال ١٤٠٩

"ن"

نفحات الازهار في خلاصة عبقات الانوار : آ يت الله سيد علیؒ حسيني ميلاني، قم نشر الحقايق، طبع دوم، ١٤٢٦ھ

نگاهی به حدیث ثقلین: سید علی حسینی میلانی، نشر الحقایق، چاپ یکم، سال ١٣٨٧ش